تجلیاتِ نبوت

سیرتِ طیبہ کی روشن روشن کرنوں سے منور

اسوۂ حسنہ کا خوبصورت تذکرہ

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ

تحقیق وتخریج اور نقشوں سے مزین ایڈیشن

سیرت نگاری میں عالمی ایوارڈ یافتہ مصنّف کے قلم سے

تجلّیاتِ نبوّت

سیرتِ طیّبہ کی روشن روشن کرنوں سے منوّر

اسوۂ حسنہ کا خوبصورت تذکرہ

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ہیوسٹن • نیو یارک

دارالسلام
DARUSSALAM
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب فون:4043432-4033962 1 00966 فیکس:4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

- الریاض۔ العلیا۔ فون:4614483 01 فیکس:4644945
- الملز فون:4735220 01
- سویلم فون:2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695
- قصیم (بریدہ): فون / فیکس:3696124 06 موبائل:0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948
- مدینہ منورہ فون:8234446 04 فیکس:8151121 موبائل:0504296740
- جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270
- الخبر فون:8692900 03 فیکس:8691551
- خمیس مشیط فون / فیکس: 2207055 07
- ینبع البحر فون / فیکس: 3908027 04

شارجہ فون:5632623 6 00971

امریکہ ہوسٹن:7220419 713 001 • نیویارک:6255925 718 001

لندن فون:4885 539 208 0044

آسٹریلیا فون:4040 9758 2 0061

پاکستان ہیڈ آفس ومرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 37232400-37240024-37324034 42 0092 فیکس:37354072 موبائل:0322-8484569
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

- غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون:37120054 فیکس:37320703 موبائل:0321-4439150
- Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون :35692610 موبائل:0321-4212174

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون / فیکس :2281513 موبائل:0321-5370378

کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی
فون:34393936 فیکس:34393937 موبائل:0321-2441843

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم کرنے والا، خوب مہربان ہے
وانک لعلی خلق عظیم
اور یقیناً آپ خلق عظیم پر (فائز) ہیں۔

باب: 1

باب: 2

نبوت ورسالت سے سرفرازی، دعوت اور پیش آمدہ مصائب

باب: 3

ہجرت مدینہ

باب: 4

غزوات وسرایا

باب: 5

فرضیتِ حج (9 ہجری) اور حجۃ الوداع (10 ہجری)

باب: 6

رفیق اعلیٰ کی جانب

باب: 7

خانۂ نبوت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و اخلاق

عرضِ ناشر

سیرت کا موضوع گلشنِ سدا بہار کی طرح ہے جس کی سج دھج میں ہر پھول کی رنگینی و شادابی دامانِ نگاہ کو بھر دینے والی ہے۔ یہ گل چیں کا اپنا ذوقِ انتخاب ہے کہ وہ کس پھول کو چنتا اور کس کو چھوڑتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جسے چھوڑا، وہ اس سے کم نہ تھا جسے چن لیا گیا۔ بس یوں جانیے کہ اس موضوع پر ہر نئی تحقیق وتوثیق قوسِ قزح کے ہر رنگ کو سمیٹتی اور نکھارتی نظر آتی ہے۔

سیرتِ طیبہ کا موضوع اتنا متنوع ہے کہ ہر وہ مسلمان جو قلم اٹھانے کی سکت رکھتا ہو، اس موضوع پر حسبِ استطاعت لکھنا اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ ہر قلم کار اس موضوع کو ایک نیا اسلوب دیتا ہے، پھر بھی سیرت پر لکھی گئی بے شمار کتب کسی نہ کسی پہلو سے تشنگی محسوس کرا ہی دیتی ہیں۔ اسی طرح ہر ناشر سیرتِ رسول ﷺ پر کتب شائع کرنا اپنے ادارے کے لیے سعادت سمجھتا ہے اور اسے خوب سے خوب تر شائع کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔

دارالسلام اب تک عربی اور انگریزی زبان میں سیرتِ رسول ﷺ پر قابلِ قدر اور قابلِ ستائش کتب شائع کر چکا ہے، تاہم نوجوان نسل کو تفاصیل میں لے جائے بغیر سیرتِ طیبہ سے آگاہ کرنے کی اشد ضرورت محسوس کرتے ہوئے عصرِ حاضر کے عظیم سیرت نگار مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری سے کچھ عرصہ قبل درخواست کی گئی کہ عربی زبان میں نوجوانوں اور بطورِ خاص میٹرک تک کے طلبہ کے لیے ایک مختصر مگر جامع کتاب سیرتِ رسول پر لکھیں جو عام فہم اور صحیح واقعات پر مبنی ہو اور اس کا انداز اتنا دلکش ہو کہ نوجوانوں کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی محبت اور سیرت نقش ہو جائے۔ انھوں نے میری التماس کو شرفِ قبولیت بخشا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد "روضة الأنوار في سيرة النبي المختار" کے نام سے کتاب کا مسودہ

میرے حوالے کر دیا۔ کتاب شائع ہوئی تو سعودی عرب کے متعدد تعلیمی اداروں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بعض لوگوں نے اسے مفت تقسیم کیا، چند ایک اسکولوں نے اسے اپنے نصاب میں داخل کر لیا۔ ایک عرصہ بعد مولانا صاحب رحمہ اللہ دوبارہ ریاض تشریف لائے تو اُردو دان طبقے کے لیے ان سے اس کتاب کے ترجمے کی فرمائش کی گئی۔ اس پر انھوں نے مسکراتے ہوئے اپنا بیگ کھولا اور اردو ترجمے کا مسودہ یہ کہتے ہوئے میرے حوالے کر دیا کہ انھیں معلوم تھا کہ میں اس خواہش کا اظہار بھی ضرور کروں گا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰى ذَالِكَ اِس پر میں نے مولانا کا شکریہ ادا کیا۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ، اللہ کے فضل سے عربی اور اردو دونوں زبانوں پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔ انھوں نے جس لگن اور شبانہ روز محنت سے یہ کام سرانجام دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ دورانِ تحریر عقیدت و شیفتگی کا عنصر اندازِ بیان کو فصیح و بلیغ، شستہ وشگفتہ اور متین بنا دیتا ہے۔ اسی لیے سیرت پر قلم اٹھاتے ہوئے ان کا ہر جملہ نگینے کی طرح جڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مولانا کا سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وسیع مطالعہ اور تحقیق وجستجو مسلمہ حیثیت رکھتی ہے جس کا ثبوت ان کی تالیف "الرحیق المختوم" ہے جو رابطہ عالمِ اسلامی (مکہ مکرمہ) کی طرف سے سیرت نگاری کے عالمی مقابلے میں اول انعام یافتہ ہے۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ اس لیے آپ کے بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، تاہم اس مقام پر اس کتاب کا ایک اقتباس نمونے کے طور پر ملاحظہ فرما لیا جائے، فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی جامع کمالات تھی۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک حرف حکمت کے اعتبار سے بلند پایہ ہے، پھر بھی وہ اُمی کہلائے اور اسی اُمی ہونے کے باعث یہ ثابت ہوا کہ وہ منشائے الٰہی کے سوا کچھ نہیں بولتے۔ وہ محبت کو بنیاد بناتے ہیں اور صبر کو لباس، اسی لیے جب قبیلۂ بنو سعد سے تعلق رکھنے والے ایک نجدی نے اپنے مخصوص سخت اور درشت لہجے میں بات کی تو وہ اپنے سوالات کا حکیمانہ جواب سننے کے بعد کلمۂ شہادت پڑھے بغیر نہ رہ سکا اور اطاعت ومحبت کا وہ

وعدہ کیا کہ اسی وقت جنت کی سند حاصل کر گیا۔“

اس قسم کے ولولہ انگیز جملے آپ کو ”تجلیاتِ نبوت“ کے صفحات میں جا بجا ملیں گے جو عقیدت ومحبت کے حقیقی آئینہ دار ہیں۔

آخر میں ”دار السلام“ کی جانب سے مولانا صفی الرحمٰن ﷾ کا تہِ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جو ان دنوں ”دار السلام“ کے لیے مختلف علمی منصوبوں پر بھی کام کر رہے ہیں۔

«جَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ»

کتاب کی مسودہ خوانی اور حتمی تصحیح وترتیب کا کام مولانا محمد عثمان منیب، مولانا منیر احمد رسولپوری، حافظ محمد ندیم، حافظ محمد نعمان فاروقی، جناب احمد کامران اور حافظ محمد فاروق نے انجام دیا ہے۔ اس کے فنی مراحل، ڈیزائننگ اور کمپوزنگ وغیرہ میں جناب زاہد سلیم چودھری، محمد عامر رضوان، اسد علی اور ابومصعب نے اسے خوب سے خوب تر بنانے میں بھرپور محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کاوش کو عامۃ المسلمین کے لیے نافع بنائے۔ آمین یا رب العالمین!

کتاب کو مزید خوبصورت اور دلکش بنانے کے لیے ہمارے ادارے کے کارکنوں نے دن رات محنت کی ہے۔ ممتاز سکالر و کہنہ مشق صحافی جناب محسن فارانی نے اس میں نبی ﷺ کے فہر (قریش) اور عدنان تک دو شجرہ ہائے نسب، ایک شجرہ بنو قحطان اور دو رنگے جدید وقدیم نقشے بھی شامل کر دیے ہیں۔ ان سب کی یہ پرخلوص کاوش محبت رسول (ﷺ) کی آئینہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن سب کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيمِ، مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ صَحْبِهِ أَجْمَعِينَ.

خادم قرآن وسنت

عبد المالک مجاہد

مدیر: دار السلام۔ الریاض، لاہور

اگست 2010ء

حرفِ اول

تاریخِ انسانی میں انبیاء ﷺ کی سیرت کا اس عہد کے ظلمات میں سب سے روشن اور منور کردار رہا ہے لیکن مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے ان پیکرانِ صدق و صفا کی صورت گری اور تصویر کشی میں کچھ ایسے افراط و تفریط سے کام لیا ہے کہ یہ سیرتیں چیستان بن کر رہ گئی ہیں۔ اس میں واحد استثنا رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے کہ جن کی حیاتِ مقدسہ اور خدماتِ جلیلہ کے تذکرے کو کم و بیش پانچ لاکھ سوانح نگاروں نے کسی نہ کسی شکل میں محفوظ رکھا ہے مگر اصولِ سیرت پر مرتب شرائط و ضوابط کے فقدان نے سیرت نگاروں کو حاطب اللیل کی طرح ہر خشک و تر کو جمع کرنے پر مجبور کیا۔ سیرت النبی ﷺ کے ذخیرے پر نگاہ رکھنے والے اس حقیقتِ مذکورہ سے بخوبی آگاہ ہیں۔

اُردو زبان میں سیرت نگاری کی روایت خود اس زبان کے آغاز و ارتقا سے مربوط ہے۔ مگر تحقیقی لوازم کے لحاظ سے سر سید احمد خاں کے نظریات سے اختلاف کے باوجود ان کی کتاب ''الخطبات الأحمديه في السيرة المحمديه'' (1870ء) کو ایک امتیاز حاصل ہے۔ بعدازاں شبلی نعمانی رحمہ اللہ اور ان کے نامور شاگرد سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے پہلی مرتبہ واقعاتِ سیرت کے ایک تحقیقی شعور کے ساتھ اخذ و قبول کی روایت کو مستحکم کیا۔ قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ کی ''رحمۃ للعالمین'' بھی ایسے ہی تحقیقی لوازمے کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔

سیرت نگاری میں ایک معیاری تحقیق کا نمونہ 1979ء میں سامنے آیا۔ یہ علمائے مبارکپور کے ایک فاضل مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی تصنیف ''الرحیق المختوم'' تھی جو انھوں نے

عربی زبان میں تحریر کی اور اسے رابطہ عالمِ اسلامی کے تحت منعقد ہونے والے بین الاقوامی انعامی مقابلہ سیرت نگاری میں اوّلیت کا شرف حاصل ہوا۔

الرحیق المختوم قدرے تفصیلی کاوش ہے۔ اسی فاضل مصنف نے 'تجلیاتِ نبوت' کے نام سے دینی مدارس اور ہائی سکولوں کے طلبہ اور عامۃ المسلمین کے لیے ایک متوسط بلکہ قدرے مختصر کتاب تیار کی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف نے کمال ہنر مندی سے سیرت کے تمام تر وقائع کو ایک ایسی نئی ترتیب اور تازہ اسلوب کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اس کے مطالعے سے دل و دماغ پر ایک پاکیزہ نقش قائم ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے سیرت نگار کو ایک پل صراط سے گزرنا پڑتا ہے۔ کتاب کو ایک نظر دیکھتے جائیے، اس میں دعوتِ اسلامی کے تمام مراحل اور اس کی پیش آمدہ دشواریوں کا مناسب تذکرہ موجود ہے۔ تکالیف اور مصائب کے طوفانوں میں وحیِ الٰہی کس طرح سے نصرتِ الٰہی کے راستے پیدا کرتی ہے، اس کا ایمان افروز بیان ملتا ہے۔ واقعاتِ سیرت کی صحت میں مصنف نے مستند ماخذوں تک رسائی حاصل کی ہے اور اس تلاش وجستجو کا یہ نتیجہ ہے کہ ان کے ہاں اصولِ دین سے متصادم کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ سیرت نگاری کے اس فن میں صحتِ واقعات کی تلاش میں یہ احتیاط اور ضبط لائقِ تحسین ہے۔

تجلیاتِ نبوت کی انھی خصوصیات کے باعث اس کا عربی ایڈیشن تو سعودی عرب کے تعلیمی اداروں میں ایک نصابی کتاب کے طور پر اختیار کر لیا گیا ہے، پاکستان کے دینی مدارس میں بھی اسے پذیرائی مل رہی ہے۔ فاضل مصنف نے اس اردو ایڈیشن کے لیے تخریج اور تصحیح کا ایک کڑا معیار پیشِ نظر رکھا ہے۔ اس اہم کتاب کی اس تازہ طباعت میں قارئین کو حوالہ جات اور ان کے ماخذ کا براہِ راست علم ہو جائے گا۔ یوں طلبائے مدارس اور عامۃ المسلمین کے لیے اردو زبان میں یہ سیرت کی پہلی مختصر مگر جامع کتاب ہے جس میں واقعات کی صحت کے ساتھ ان کی مکمل تخریج بھی موجود ہے۔ یہ اہتمام اپنی جگہ اس کتاب کی اہمیت، ثقاہت اور استناد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سیرتِ نبوی سے شغف رکھنے والے حضرات اس امر سے باخبر ہیں کہ سیرۃ النبی ﷺ کے شریک مصنف سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے بچوں اور نوجوانوں کے لیے ''رحمتِ عالم'' کے عنوان سے ایک کوشش کی تھی جسے بہت قبولِ عام ہوا مگر اس میں قارئین کو تخریج اور تصحیح کا یہ اسلوب دکھائی نہیں دے گا جو ''تجلیاتِ نبوت'' میں اختیار کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کے ذاتی ذخیرۂ سیرت میں تین ہزار کے قریب کتب و رسائل موجود ہیں مگر میں وثوق کے ساتھ عرض کروں گا کہ ''تجلیاتِ نبوت'' صحتِ واقعات اور تخریج کے اعتبار سے اردو زبان میں موجود بہترین کتابوں میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

دارالسلام جسے دینی اور دعوتی لٹریچر کو عالمی سطح پر جدید اسلوبِ طباعت کے ساتھ پیش کرنے کا شرف حاصل ہے، اس نے ''تجلیاتِ نبوت'' کے اس نئے ایڈیشن کو نہایت معیاری طباعت کا کامیاب نمونہ بنا کر پیش کیا ہے۔ اپنے تحقیقی مواد اور لوازم، عام فہم اسلوب اور موزوں واقعاتی ترتیب کے باعث یہ تالیفِ سیرت ان شاء اللہ العزیز نوجوانوں اور عامۃ المسلمین میں قبولِ عام کا درجہ حاصل کرے گی۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعے سے قارئین میں اتباعِ سنت، اطاعتِ رسول اور حمیّتِ دین کے جذبات پیدا کرے اور اس کتاب کے مصنف، ناشر اور منتظمین کی محنت کو حسنِ قبول عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین.

پروفیسر عبدالجبار شاکر

بیت الحکمت، لاہور

17 / رمضان المبارک 1422ھ

مقدمہ

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ الْمَبْعُوثِ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ، وَ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ، وَعَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ حَمَلَةِ لِوَاءِ الدِّينِ، وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ مِّنَ الْأَئِمَّةِ وَالْهُدَاةِ وَالدُّعَاةِ وَالْأَتْقِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ، وَ عَلٰى مَنْ سَلَكَ سَبِيلَهُمْ إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ. أَمَّا بَعْدُ:

سیرت نبوی ﷺ انتہائی پاکیزہ اور بلند پایہ موضوع ہے۔ اس سے مسلمان کو یہ علم ہوتا ہے کہ اس کا دین کن کن مراحل سے گزرا، اس کے نبی ﷺ اور اصحابِ نبی پر کیا بیتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کیسی کیسی نسبی و خاندانی شرافت بخشی، کس طرح وحی و رسالت اور دعوتِ دین کے لیے منتخب فرمایا، پھر آپ ﷺ نے اس راہ میں کیا کیا مشقتیں جھیلیں، کیسے کیسے مصائب برداشت کیے اور بالآخر کس کس طرح کے انعامات سے نوازے گئے۔ اللہ نے پردۂ غیب سے فرشتے بھیج کر، اسباب موڑ کر، برکات نازل فرما کر، معجزات ظاہر کر کے کس کس طرح آپ کی نصرت وتائید فرمائی اور کتنے بڑے بڑے زورآور لشکروں نے آپ کی مٹھی بھر جماعت کے سامنے شکست کھائی۔ یہ ساری باتیں کتبِ سیرت کے اوراق پر جلوہ فگن نظر آتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام سے آج تک اس موضوع پر لکھنے لکھانے اور پڑھنے

پڑھانے کا بڑا اہتمام ہوتا آیا ہے۔ کیونکہ یہ کام گہرے ایمان ومحبت اور والہانہ جذبہ فنا و فدائیت کا نتیجہ ہے۔ مگر ہوتا یہ رہا ہے کہ عموماً اس موضوع پر لکھتے ہوئے تحقیق کا اہتمام نہیں کیا گیا بلکہ افکار و خیالات اور جذبات واحساسات کی نظر میں جو چیز جچ گئی، اسے داخلِ کتاب کر لیا گیا، خواہ وہ صحت وثبوت کے لحاظ سے صفر ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ بسا اوقات ایسی باتیں بھی قبول کر لی گئیں جو دین کے اصول سے متصادم اور معقولیت کے دائرے سے خارج ہیں۔

اسی کیفیت کے پیشِ نظر برادرِ عزیز جناب عبدالمالک مجاہد صاحب مدیر دارالسلام الریاض، نے میرے سامنے یہ تجویز رکھی کہ میں اس موضوع پر اوسط درجے کی ایک کتاب تالیف کروں جس میں ائمۂ فن کے نقطۂ نظر سے ثابت شدہ اور مسلمہ معلومات جمع کی گئی ہوں تاکہ اس سے ہماری نئی نسل اور بالخصوص میٹرک تک کے طلبہ سیرت کے باب میں صحیح معلومات حاصل کر سکیں۔ میں نے افادۂ عام کے لیے ان کی یہ تجویز قبول کر لی اور اللہ سے توفیق واعانت طلب کرتے ہوئے قرآنِ کریم، معتمد کتب تفاسیر اور کتبِ احادیث وسیرت کی مدد سے یہ کام انجام دیا۔ واقعات کی داخلی اور خارجی شہادتوں سے بھی استفادہ کیا اور کوشش کی کہ جہاں تک ممکن ہو اختصار وانتخاب کے ساتھ روایات کے الفاظ اور سابقین کی زبان استعمال کی جائے۔ میں نے بڑی حد تک یہ مقصد پورا کر دیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس سے مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور میرے لیے سعادتِ دارین کا ذریعہ بنائے آمین۔

«صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلَّمْ»

صفی الرحمٰن مبارکپوری

مدینہ یونیورسٹی، مدینہ منورہ

(12 شوال 1415ھ)

نسب نامہ مبارک آپ کا مبارک نسب نامہ یہ ہے:

''محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصَی بن کِلاب بن مُرّہ بن کعب بن لُؤیّ بن غالب بن فِہر بن مالک بن نضر بن کِنانہ بن خُزیمہ بن مُدرِکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن مَعَد بن عدنان۔''

عدنان بالاتفاق حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں لیکن دونوں کے درمیان کتنی پشتیں ہیں اور ان کے نام کیا کیا ہیں؟ اس بارے میں بڑا اختلاف ہے۔

آپ (ﷺ) کی والدہ کا نام ''آمنہ'' تھا اور ان کے والد وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب تھے۔ یہ وہی کلاب ہیں جو والد کی طرف سے بھی آپ کے نسب نامے میں آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا اصل نام عُروہ یا حکیم تھا۔ لیکن وہ کتوں کے ذریعے سے بکثرت شکار کھیلا کرتے تھے، اس لیے کلاب کے نام سے مشہور ہو گئے۔ عربی میں کلاب کتوں کو کہتے ہیں۔

قبیلہ آپ قبیلۂ قریش سے تعلق رکھتے تھے جو پورے عرب میں سب سے معزز قبیلہ تھا۔ قریش دراصل فہر بن مالک یا نضر بن کنانہ کا لقب تھا۔ بعد میں اس کی اولاد اسی نسبت سے مشہور ہو گئی۔ یوں تو اس قبیلے کو ہر دور میں سیادت حاصل رہی لیکن قصی کو ایک منفرد مقام حاصل ہوا۔ اس کا نام زید تھا اور وہ بچپن میں یتیم ہو کر والدہ کے ساتھ ملکِ شام کے قریب قبیلہ عذرہ میں جا بسا تھا اور وہیں پلا بڑھا تھا لیکن جوان ہو کر مکہ آ گیا اور کچھ ہی دنوں کے

بعد خانۂ کعبہ کا متولی بن گیا۔ یہ قبیلۂ قریش کا پہلا شخص تھا جو خانۂ کعبہ کا متولی ہوا۔ متولی ہونے کا مطلب یہ تھا کہ اسی کے ہاتھ میں خانۂ کعبہ کی کنجی ہوتی تھی، وہ جس کے لیے جب چاہتا تھا کعبے کا دروازہ کھولتا تھا۔ علاوہ ازیں قریش مکہ سے باہر آباد تھے، اس نے اُنھیں اندر لاکر آباد کیا۔ اسی نے حاجیوں کے لیے میزبانی کا طریقہ بھی ایجاد کیا۔ وہ حج کے دنوں میں بڑے پیمانے پر کھانا تیار کراتا اور چمڑے کے بڑے بڑے لگنوں میں کھجور، شہد یا کشمش سے میٹھا شربت بنواتا اور حاجیوں کو پیش کرتا۔ اس نے کعبہ کے شمال میں ''دار الندوہ'' کے نام سے ایک گھر بھی بنایا تھا جو قریش کی اجتماعی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہی ان کی پارلیمنٹ بھی تھی اور اسی میں وہ شادی وغیرہ کی رسمیں بھی انجام دیتے تھے۔ قریش کا جھنڈا اور کمان بھی قُصَی ہی کے ہاتھ میں تھے، چنانچہ لڑائی کا جھنڈا اس کے سوا کوئی نہیں باندھ سکتا تھا۔ وہ بڑا کریم اور عقلمند تھا۔ قریش اس کی بات بے چون وچرا تسلیم کرتے تھے۔

خاندان آپ ﷺ کا خاندان، آپ کے پردادا ''ہاشم'' کی نسبت سے ''ہاشمی'' کہلاتا تھا۔ ان کو قُصَی کے مناصب میں سے حاجیوں کی میزبانی کا منصب حاصل ہوا جو ان کے بعد ان کے بھائی مطلب کی طرف منتقل ہوگیا۔ مطّلب کے بعد پھر ہاشم کی اولاد کو یہ منصب حاصل ہوا اور اسلام کی آمد تک اُنھی کے ہاتھ میں رہا۔

ہاشم اپنے زمانے کے سب سے عظیم انسان شمار ہوتے تھے۔ اُنھیں وادیٔ بطحاء کا سردار کہا جاتا تھا۔ وہ روٹی توڑ کر گوشت اور شوربے میں بھگوتے اور لوگوں کے کھانے کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ چونکہ عربی میں اس طرح کسی چیز کے توڑنے کو ہشم اور توڑنے والے کو ہاشم کہتے ہیں، اس لیے ان کا نام ہاشم پڑ گیا، ورنہ ان کا اصل نام عَمْرو تھا۔ قریش تجارت پیشہ تھے۔ ہاشم نے ان کے لیے جاڑے میں یمن اور گرمی میں شام کا تجارتی سفر منظّم کیا اور اس کے لیے دونوں ملکوں کے ذمے داروں سے ضمانتیں حاصل کیں۔ اس سفر کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ قریش میں اللہ تعالیٰ کے ایک بہت بڑے احسان کے طور پر کیا گیا ہے۔

ہاشم ایک بار تجارت کے لیے شام جاتے ہوئے یثرب (مدینہ منورہ) سے گزرے تو

وہاں بنو عدی بن نجار کی ایک خاتون سلمٰی بنت عمرو سے شادی کر لی اور کچھ عرصہ ٹھہر کر ملکِ شام چلے گئے اور وہیں سرزمینِ فلسطین کے مشہور شہر غزہ میں انتقال کر گئے۔ ان کی روانگی کے وقت سلمٰی حاملہ تھیں۔ بعد میں بچہ پیدا ہوا جس کے سر کے بالوں میں سفیدی تھی، اس لیے اس کا نام شَیبہ رکھا گیا۔ یہ بچہ مدینے میں پرورش پاتا رہا لیکن مکے میں ہاشم کے بھائیوں اور خاندان کے دوسرے لوگوں کو اس کا علم نہ تھا۔ آٹھ برس بعد مطلب کو اس کا پتہ چلا تو وہ مدینہ جا کر اس کو اپنے ساتھ لے آئے۔ جب مکے میں داخل ہوئے تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ ان کا غلام ہے، چنانچہ اسے عبدالمطّلب، عبدالمطّلب کہنے لگے۔ بالآخر وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔[1]

عبدالمطلب بہت خوبصورت اور عظیم انسان تھے۔ ان کے دور میں ان کا ہم مرتبہ کوئی نہ ہوا۔ وہ قریش کے سردار اور مکہ کے قافلۂ تجارت کے ذمے دار تھے۔ جود و سخا اس قدر کرتے تھے کہ ان کا لقب فیاض پڑ گیا تھا۔ ان کے دستر خوان کا پس خوردہ مسکینوں، جانوروں اور چڑیوں کے کھانے کے لیے رکھ دیا جاتا تھا اور اس بنا پر ان کا یہ عرف بن گیا تھا: ''زمین پر انسانوں اور پہاڑ کی چوٹیوں پر وحشی جانوروں اور چڑیوں کو کھلانے والا۔''

اُنھیں زمزم کا کنواں کھودنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ اس کنویں کو بنو جُرہُم نے مکّے سے جلا وطن ہوتے وقت پاٹ دیا تھا۔ اس وقت سے اس کی جگہ نامعلوم چلی آ رہی تھی۔ عبدالمطلب کو خواب میں اس کی جگہ بتلائی گئی اور کھودنے کا حکم دیا گیا۔ انھوں نے کھودا تو پرانا کنواں برآمد ہو گیا۔[2]

اُنھی کے زمانے میں خانۂ کعبہ پر ہاتھی والوں کے حملے کا واقعہ پیش آیا۔ یہ سب حبشی تھے۔ ان کے سردار کا نام ابرہہ تھا جو یمن پر قابض اور حکمران تھا۔ وہ خانۂ کعبہ ڈھانے کے لیے ساٹھ ہزار کا لشکرِ جرار لے کر آیا لیکن جب مکے کے مشرق میں مزدلفہ اور منٰی کے درمیان ''وادیٔ محسّر'' میں پہنچا اور مکے پر حملہ آور ہونے کے لیے تیار ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس

① سیرت ابن ہشام: 138,137/1، وتاریخ الطبري: 247/2. ② سیرت ابن ہشام: 1/142-174.

کے لشکر پر چڑیوں کا جھنڈ بھیج دیا جنھوں نے اس پر ٹھیکری جیسے پتھر برسا دیے اور وہ کھائے ہوئے بھُس کی طرح ہو گیا۔ [1] یہ واقعہ آپ کی پیدائش سے 55/50 دن پہلے پیش آیا۔

آپ ﷺ کے والدِ گرامی عبداللہ، عبدالمطلب کے سب سے خوبصورت، پاک دامن اور چہیتے لڑکے تھے۔ انھیں ''ذبیح'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمزم کی کھدائی کے دوران میں جب کنویں کے نشانات برآمد ہوئے تو قریش نے بھی عبدالمطلب کے ساتھ شرکت کرنی چاہی اور اس کے لیے ان سے جھگڑا کیا جو بڑی مشکل سے فرو ہو سکا۔ یہ دیکھ کر عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے ان کو دس لڑکے دے دیے اور ہر ایک مقابلے کے لائق ہوا تو ان میں سے ایک کو وہ اللہ کی راہ میں ذبح کر دیں گے۔ اب اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ ان کی یہ مراد پوری ہو گئی، چنانچہ انھوں نے سب لڑکوں کے درمیان قرعہ ڈالا۔ قرعہ عبداللہ کے نام نکلا، لہٰذا ان کو ذبح کرنے کے لیے خانۂ کعبہ کے پاس لے گئے مگر قریش نے انھیں روک دیا۔ بالخصوص عبداللہ کے بھائی اور ماموں سخت آڑے آئے۔ بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ ان کے بدلے ایک سو اونٹ ذبح کیے جائیں، چنانچہ عبدالمطلب نے ایسا ہی کیا، [2] اسی لیے آپ (ﷺ) کو دو ذبیحوں کی اولاد کہا جاتا ہے۔ ایک ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اور ایک آپ (ﷺ) کے والد عبداللہ۔ اسی طرح آپ کو ''دو فدیہ دیے گئے بزرگوں کی اولاد'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مینڈھے کا فدیہ دیا گیا تھا اور آپ کے والد کو سو اونٹوں کا۔

عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب سے ہوئی جو اس وقت قریش کی سب سے بلند پایہ خاتون تھیں۔ ان کا باپ وہب بھی بنو زہرہ کا سردار اور عالی نسب تھا۔ آمنہ شادی کے بعد ہی امید سے ہو گئیں۔ ادھر کچھ عرصہ بعد عبدالمطلب نے عبداللہ کو تجارت کے سلسلے میں مدینہ یا شام بھیجا۔ واپسی پر وہ مدینے میں انتقال کر گئے اور انھیں نابغہ ذُبیانی کے مکان میں دفن کر دیا گیا۔ اس وقت تک آپ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ [3]

[1] سیرت ابن هشام :65,43/1، وابن كثير:466-458/8. [2] سيرت ابن هشام :155,151/1، وتاريخ طبري:243,239/2. [3] سيرت ابن هشام:157,156/1، وتاريخ طبري:246/2 والروض

پیدائش آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں شعب بنی ہاشم کے اندر موسم بہار میں پیدا ہوئے۔ یہ دوشنبہ (سوموار) کی صبح تھی، ربیع الاول کی 9 اور کہا جاتا ہے کہ 12 تاریخ تھی سال وہی تھا جس میں ابرہہ نے مکے پر حملہ کیا تھا۔ چونکہ وہ اپنے ساتھ ہاتھی بھی لایا تھا اور عربی میں ہاتھی کو فیل کہتے ہیں، اس لیے اس سال کا نام ''عام الفیل'' پڑ گیا۔ اس روز اپریل 571ء کی 22 تاریخ تھی۔ ① پیدائش کے وقت دایہ کا کام حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ شفاء بنت عمرو نے انجام دیا۔

جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا ہے جس سے ملکِ شام کے محل روشن ہو گئے۔ ② پھر والدہ نے عبدالمطلب کو آپ کی پیدائش کی خوشخبری بھجوائی۔ وہ شاداں وفرحاں تشریف لائے اور آپ کو خانۂ کعبہ میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اس کا شکر ادا کیا اور اس توقع پر کہ آپ کی تعریف کی جائے گی، آپ کا نام ''محمد'' رکھا، پھر عرب کے دستور کے مطابق ساتویں دن عقیقہ اور ختنہ کیا اور لوگوں کی دعوت کی۔ ③

آپ ﷺ کو آپ کے والد کی لونڈی ام ایمن گود کھلایا کرتی تھیں۔ وہ حبشن تھیں اور ان کا نام ''برکت'' تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا فضل کیا، چنانچہ انھوں نے آپ کی نبوت کا دور پایا، اسلام لائیں اور ہجرت بھی کی، پھر آپ کی وفات کے پانچ چھ مہینے بعد وفات پا گئیں۔ رضی اللہ عنہا۔ ④

رضاعت آپ ﷺ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے ابولہب کی لونڈی ثُوَیبہ نے آپ

◀◀ الأنف: 184/1. ① 9 ربیع الاوّل کی تحقیق محمود پاشا فلکی نے بہت خوب کی ہے۔ دیکھیے نتائج الأفهام في تقويم العرب قبل الإسلام، طبع بيروت، ص: 28-35. ② مسند أحمد: 4/127,128 و185 و5/262، وسنن الدارمي، المقدمة، باب كيف كان أول شان النبي ﷺ، حديث: 13، وطبقات ابن سعد: 102/1. ③ سیرت ابن ہشام: 1/159,160، وتاریخ طبری: 2/156,157، وطبقات ابن سعد: 103/1. کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ (تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 4) مگر ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ (زادالمعاد: 18/1). ④ صحيح مسلم، الجهاد، باب ردّ المهاجرين إلى الأنصار منائحهم، حديث: 1771.

کو دودھ پلایا، اس وقت اس کا اپنا جو بچہ دودھ پیتا تھا، اس کا نام مسروح تھا۔ ثویبہ نے آپ سے پہلے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اور آپ کے بعد ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا، لہٰذا یہ تینوں آپ کے رضاعی بھائی ہوئے۔ [1]

حلیمہ سعدیہ کی گود میں عرب کے شہری باشندوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری بیماریوں سے بچانے کے لیے انھیں دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے تاکہ ان کے پٹھے مضبوط اور ان کی عربی زبان خالص اور ٹھوس ہو جائے۔ اسی دستور کے مطابق عبدالمطلب کو بھی دودھ پلانے والی دایہ کی تلاش تھی۔ ادھر بنو سعد بن بکر بن ہوازن کی کچھ عورتیں اسی غرض سے مکہ آئیں اور ان کے رو برو آپ ﷺ کو بھی پیش کیا گیا مگر جب اُنھیں معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ یتیم ہیں تو وہ آپ کو لینے سے انکار کر دیتیں۔ ایک خاتون حلیمہ بنت ابی ذُؤَیب کو کوئی بچہ نہ ملا، لہٰذا انھوں نے مجبوراً آپ ہی کو لے لیا مگر جب لے لیا تو ان پر خوش قسمتی کا ایسا دروازہ کھلا کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی جس کی ایک جھلک آپ آئندہ سطور میں ملاحظہ کریں گے۔

حضرت حلیمہ کے والد ابوذویب کا نام عبداللہ بن حارث تھا اور وہ آپ ﷺ کے رضاعی نانا ہوئے۔ حلیمہ کے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ تھا اور دونوں ہی قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن سے تعلق رکھتے تھے، اس طرح حارث کے بچے، بچیاں آپ کے رضاعی بھائی بہن ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ، انیسہ، جدامہ، ان کا لقب شیماء تھا اور اسی سے وہ مشہور ہوئیں۔ وہ قدرے بڑی تھیں اور آپ کو گود کھلایا کرتی تھیں۔

حلیمہ کے گھر میں برکات کی بارش جیسا کہ پہلے اشارہ کیا گیا کہ جب تک آپ ﷺ حلیمہ کے گھر موجود رہے، ان کا گھر برکتوں سے مالا مال رہا۔ حلیمہ کا بیان ہے کہ وہ جب مکہ آئی تھیں تو قحط سالی کا دور تھا۔ ان کے پاس ایک گدھی تھی جو اس قدر کمزور اور دبلی تھی کہ

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب: ﴿وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرۡضَعۡنَكُمۡ﴾ حديث: 5101،5100، وتاريخ طبري: 158/2، و دلائل النبوة لأبي نعيم: 157/1.

پورے قافلے میں سب سے سست اور مریل چال چلتی تھی، ایک اونٹنی بھی تھی مگر وہ ایک قطرہ دودھ نہ دیتی تھی۔ حلیمہ کا اپنا بچہ بھوک کی بے قراری سے پوری رات بلکتا اور چیختا رہتا، نہ خود سوتا نہ ماں باپ کو سونے دیتا۔ مگر جب وہ آپ ﷺ کو لے کر اپنے ڈیرے پر آئیں اور گود میں رکھا تو سینہ دودھ سے بھر گیا حتیٰ کہ آپ نے شکم سیر ہو کر دودھ پیا اور آپ کے ساتھ حلیمہ کے بچے نے بھی جی بھر کر پیا، پھر دونوں آرام کی نیند سو گئے۔

ادھر شوہر اٹھ کر اونٹنی کے پاس گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ تھن سے دودھ ابلا چاہتا ہے، چنانچہ اس نے اس قدر دودھ دوہا کہ دونوں نے خوب آسودہ اور سیراب ہو کر پیا اور نہایت پر سکون رات گزاری۔

مکہ سے واپسی کے دوران میں حضرت حلیمہ اسی خستہ حال گدھی پر سوار ہوئیں اور اپنے ساتھ آپ کو بھی لیا مگر اب وہی گدھی اس قدر تیز چلی کہ پورے قافلے کو کاٹ کر آگے نکل گئی اور کوئی گدھا اس کا ساتھ نہ پکڑ سکا۔

حضرت حلیمہ کا وطن دیار بنو سعد، سب سے زیادہ قحط زدہ تھا مگر اس کے باوجود مکہ سے واپسی کے بعد ان کی یہ حالت ہوئی کہ جب بکریاں چر کر واپس آتیں تو ان کی کوکھ نکلی ہوتی اور تھن دودھ سے لبریز ہوتے۔ میاں بیوی خوب دوہتے اور پیتے جبکہ کسی اور انسان کو دودھ کا ایک قطرہ بھی میسر نہ ہوتا۔

یوں اس خانوادے کو مسلسل خیر و برکت نصیب ہوتی رہی، یہاں تک کہ دو سال گزر گئے اور مدت رضاعت پوری ہوگئی، چنانچہ حلیمہ نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔ اس دوران میں آپ ﷺ پختہ اور مضبوط ہو چکے تھے۔

کچھ اور عرصہ حلیمہ کے پاس حلیمہ کا دستور تھا کہ وہ آپ کو ہر چھ مہینے بعد مکہ لاتیں، والدہ اور خاندان کے لوگوں سے ملاتیں پھر اپنے دیار بنو سعد واپس لے جاتیں۔ جب مدت رضاعت پوری ہو گئی اور دودھ چھڑا کر آپ ﷺ کو آپ کی والدہ کے پاس لائیں تو اب تک جو خیر و برکت دیکھ چکی تھیں، اس کے پیش نظر چاہتی تھیں کہ آپ کو انھی کے پاس رہنے

دیا جائے، چنانچہ انھوں نے آپ کی والدہ سے کہا: ”کیوں نہ آپ بچے کو میرے پاس ہی رہنے دیں کہ وہ ذرا اور مضبوط ہو جائے کیونکہ مکہ کی وبا سے ڈر لگتا ہے۔“ والدہ اس پر راضی ہو گئیں اور حلیمہ آپ کو لے کر خوش خوش اپنے گھر واپس ہوئیں[1] اور آپ تقریباً مزید دو برس تک وہیں رہے، پھر آپ کا سینۂ مبارک چاک کیے جانے کا واقعہ پیش آیا جس سے ڈر کر حلیمہ اور ان کے شوہر نے آپ کو آپ کی والدہ کے حوالے کر دیا۔[2]

سینۂ مبارک چاک کیا جاتا ہے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ”آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کو لٹا کر سینہ چاک کر دیا، پھر آپ کا دل نکالا اور اس میں سے ایک لوتھڑا نکال کر فرمایا: ”یہ شیطان کا حصہ تھا جو نکال دیا گیا۔“ پھر دل کو سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھو کر جوڑ دیا اور اسی جگہ پلٹا دیا۔ ادھر بچے دوڑ کر آپ کی ماں، یعنی دایہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ”محمد ﷺ کو قتل کر دیا گیا۔“ وہ لوگ جھٹ پہنچے تو دیکھا رنگ اترا ہوا تھا۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نبی ﷺ کے سینے پر سلائی کا اثر دیکھا کرتا تھا۔[3]

ماں کی آغوشِ محبت میں اس واقعے کے بعد آپ ﷺ کو مکہ پہنچا دیا گیا اور آپ نے اپنی ماں کے سایۂ محبت میں اپنے خاندان کے اندر تقریباً دو برس گزارے، پھر والدہ، دادا اور ام ایمن کے ساتھ مدینے کا سفر کیا جہاں آپ کے والد کی قبر بھی تھی اور دادا کا ننھیال بھی۔

آپ مدینے میں ایک ماہ رہ کر واپس ہوئے تو راستے میں آپ کی والدہ بیمار ہو گئیں اور ”ابواء“ پہنچ کر رحلت کر گئیں۔ اُنھیں وہیں دفن کر دیا گیا۔[4]

دادا کے سایۂ شفقت میں اب بوڑھے عبدالمطلب آپ کو لے کر مکہ پہنچے۔ ان کے دل پر آپ کی اس نئی مصیبت کے احساس کا گہرا زخم تھا، چنانچہ آپ کے لیے ان کے دل میں

① سیرت ابن هشام: 164,162/1، وتاريخ طبري: 159,158/2، وابن حبان: 84,82/8، وطبقات ابن سعد: 111/1. ② طبقات ابن سعد: 112/1، ومروج الذهب: 181/1، ودلائل النبوة لأبي نعيم: 162,161/1 اور ان کے نزدیک بقول ابن عباس یہ واقعہ پانچویں سال کا ہے۔ ③ صحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ ......، حديث: 162. ④ سيرت ابن هشام: 168/1، وتلقيح الفهوم، ص: 7.

ایسی رقت پیدا ہوئی کہ خود ان کے اپنے بیٹوں کے لیے ویسی رقت نہ تھی۔ وہ آپ کی بڑی قدر کرتے، اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہتے، خوب اکرام کرتے، ان کا خاص ''فرش'' جس پر کوئی دوسرا نہ بیٹھ سکتا تھا، اس پر آپ کو بٹھاتے، پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے، آپ کی نقل وحرکت دیکھ کر خوش ہوتے اور یقین رکھتے تھے کہ آئندہ آپ کی ایک نرالی شان ہونے والی ہے لیکن ابھی آپ کی عمر صرف ''آٹھ برس دو مہینے اور دس دن'' ہوئی تھی کہ عبدالمطلب بھی انتقال کر گئے۔[1]

چچا کی کفالت میں اب آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کا بیڑا اٹھایا۔ یہ آپ کے والد کے سگے بھائی تھے۔ انھوں نے آپ سے خاص رحمت وشفقت برتی۔ وہ مالدار تو نہ تھے لیکن آپ کی کفالت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے تھوڑے سے مال میں اس قدر برکت دی کہ ایک آدمی کا کھانا پورے کنبے کے لیے کافی ہو جایا کرتا۔ خود آپ بھی صبر وقناعت کا نمونہ تھے جو کچھ ملتا اسی پر قناعت فرماتے۔

ملک شام کا سفر اور بحیرا راہب سے ملاقات جب آپ ﷺ کی عمر بارہ برس اور کہا جاتا ہے کہ مزید دو مہینے دس دن ہوئی[2] تو ابوطالب نے تجارت کے لیے ملک شام جانے کا قصد کیا۔ آپ کو ان کی جدائی بہت گراں گزری جس سے وہ بھی بہت متاثر ہوئے اور اپنے ساتھ لے لیا۔ جب قافلے نے ملک شام کی حدود میں پہنچ کر شہر بُصریٰ کے قریب پڑاؤ ڈالا تو بحیرا نامی عیسائیوں کا ایک بڑا راہب، اپنے گرجے سے نکل کر ان کے پاس آیا اور قافلے کے درمیان سے گزر کر نبی ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا: ''یہ دنیا کے سردار ہیں۔ پروردگارِ عالم کے رسول ہیں۔ اللہ انھیں رحمتِ عالم بنا کر بھیجے گا۔''

لوگوں نے کہا: ''آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟''

اس نے کہا: ''تم لوگ جب گھاٹی سے ادھر ظاہر ہوئے تو کوئی پتھر یا درخت ایسا نہ بچا جو سجدہ کے لیے جھک نہ گیا ہو اور یہ دونوں چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور کو سجدہ نہیں کرتیں، پھر

① سیرت ابن ھشام: 1/169,168، وتلقیح، ص: 7. ② یہ بات ابن جوزی نے تلقیح، ص: 7 میں کہی ہے۔

میں انھیں مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے نرم ہڈی کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انھیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں۔''

پھر اس نے قافلے کی ضیافت کی اور ابو طالب سے کہا: ''ان کو واپس کر دیں۔ ملک شام نہ لے جائیں کیونکہ یہود اور رومیوں سے خطرہ ہے۔'' اس پر ابو طالب نے آپ کو مکہ بھیج دیا۔[1]

جنگِ فجار جب آپ کی عمر بیس برس کی ہوئی تو ذی قعدہ کے مہینے میں ''عُکاظ'' کے بازار میں ایک لڑائی پیش آئی جس میں ایک طرف قریش اور کنانہ کے قبائل تھے اور دوسری طرف قیس اور غیلان کے قبائل۔ دونوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ فریقین کے کئی کئی آدمی کھیت رہے لیکن پھر انھوں نے صلح کر لی اور طے کیا کہ دونوں طرف کے مقتولین گنے جائیں، جدھر زیادہ ہوں، اُدھر والے زائد مقتولین کا خون بہا لے لیں۔ اس کے بعد جنگ ختم ہوگئی اور باہمی شر وعداوت کو مٹا دیا گیا۔

اس جنگ میں آپ بھی شریک تھے اور اپنے چچاؤں کو تیر تھمایا کرتے تھے۔ اس کا نام ''جنگِ فجار'' اس لیے پڑا کہ اس میں حرام مہینے کی حرمت پامال کی گئی تھی۔ فجار نام کے واقعات چار بار پیش آئے۔ ہر سال ایک واقعہ پیش آتا رہا۔ مذکورہ واقعہ آخری تھا۔ اس سے پہلے کے تین واقعات میں ہلکے پھلکے جھگڑے پیش آئے۔ لڑائی صرف اسی چوتھے واقعے میں پیش آئی۔[2]

حِلف الفضول اس جنگ کے بعد ہی ذی قعدہ کے مہینے میں پانچ قریشی قبائل کے درمیان ایک عہد نامہ طے پایا جسے ''حلف الفضول'' کہتے ہیں۔ ان قبائل کے نام یہ ہیں:

① جامع الترمذي، المناقب، باب ماجاء في بدء نبوة النبي ﷺ، حديث :3620، وتاريخ طبري: 279,278/2، ومصنف ابن أبي شيبة، حديث: 11782 (489/11) ودلائل النبوة للبيهقي: 25,24/2، ودلائل النبوة لأبي نعيم: 170/1 ، اس کی سند ثابت اور قوی ہے، البتہ اس میں کچھ وہم واقع ہوا ہے، اس لیے ہم نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ ② سیرت ابن ہشام: 187,184/1، والمنمق في أخبار قريش، ص: 185,164، والكامل في التاريخ لا بن الأثير: 472,468/1.

① بنو ہاشم ② بنو المطلب ③ بنو اسد ④ بنو زہرہ ⑤ بنو تیم

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ زُبید (یمن) کا ایک آدمی سامانِ تجارت لے کر مکہ آیا، عاص بن وائل نے اس سے سامان خرید لیا لیکن قیمت ادا نہ کی۔ اس نے بنو عبدالدار، بنو مخزوم، بنو جمح، بنو سہم اور بنو عدی سے فریاد کی لیکن انھوں نے کوئی توجہ نہ دی، چنانچہ اس نے جبل ابو قُبیس پر چڑھ کر چند اشعار میں اپنی مظلومیت کا نقشہ کھینچا اور آواز لگائی کہ کوئی اس کا حق دلانے کے لیے اس کی مدد کرے۔ اس پر زبیر بن عبدالمطلب نے دوڑ دھوپ کی، چنانچہ مذکورہ قبائل کے افراد بنو تیم کے سردار عبداللہ بن جدعان کے گھر میں اکٹھے ہوئے اور آپس میں عہد و پیمان کیا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے، خواہ مکہ کا رہنے والا ہو یا کہیں اور کا، یہ سب اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے اور عاص بن وائل سے زُبیدی کا حق لے کر اس کے حوالے کیا۔

اس عہد و پیمان میں آپ بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ تشریف فرما تھے اور شرف رسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے:

«لَقَدْ شَهِدْتُ فِي دَارِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُدْعَانَ حِلْفًا مَّا أُحِبُّ أَنَّ لِي بِهِ حُمْرَ النَّعَمِ، وَلَوْ أُدْعٰى بِهِ فِي الْإِسْلَامِ لَأَجَبْتُ»

”میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک ہوا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر میں اس کے لیے دورِ اسلام میں بلایا جاتا تو اسے یقیناً قبول کرتا۔“[1]

عملی زندگی: نبی ﷺ یتیم پیدا ہوئے اور اپنے دادا پھر چچا کی کفالت میں پرورش پائی۔ والد سے وراثت میں جو کچھ ملا تھا، اس سے کچھ ہونے والا نہ تھا، لہٰذا جوں ہی آپ ہلکے پھلکے کام کرنے کے لائق ہوئے، اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ دیار بنی سعد میں بکریاں چرانے

① طبقات ابن سعد: 128,126/1، ونسب قريش للزبيري، ص: 291.

لگے۔[1] جب مکہ آئے تو وہاں بھی چند قیراط کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرائیں۔[2] قیراط، ایک دینار کا بیسواں یا چوبیسواں حصہ ہوتا ہے جس کی قیمت اس زمانے میں بمشکل اسی نوے روپے ہو گی۔

اوائلِ عمر میں بکریاں چَرانا انبیاء کی سنت ہے۔ ایک بار عہد نبوت میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَهَلْ مِنْ نَّبِيٍّ إِلَّا رَعَاهَا»

''کوئی بھی نبی نہیں گزرا مگر اس نے بکریاں ضرور چرائی ہیں۔''[3]

جب آپ جوان ہو گئے تو غالبًا تجارت کرنے لگے کیونکہ بعض روایات میں مذکور ہے کہ آپ سائب بن ابوسائب کے ساتھ مل کر تجارت کرتے تھے۔ آپ بہترین ساجھی تھے، نہ حجت بحث کرتے تھے، نہ جھگڑتے تھے۔[4] آپ معاملات میں حد درجہ امانت، سچائی اور پرہیز کے لیے مشہور تھے اور زندگی کے سارے میدانوں میں آپ کا یہی وتیرہ تھا، چنانچہ آپ کا لقب ہی ''امین'' پڑ گیا تھا۔

ملک شام کا سفر اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کی تجارت آپ کا یہی شہرہ سن کر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تجارت کے لیے اپنے مال کی پیش کش کی۔ وہ شرف اور مال دونوں لحاظ سے قریش کی سب سے معزز خاتون تھیں اور لوگوں کو کچھ اجرت پر اپنا مال تجارت کے لیے دیا کرتی تھیں۔ انھوں نے پیش کش کے ساتھ یہ بھی عرض کی کہ وہ آپ کو سب سے اچھی اجرت دیں گی۔''

آپ نے ان کے غلام مَیسرہ کے ساتھ ملک شام کا سفر کیا۔ وہاں خرید و فروخت کی، خوب نفع ہوا اور اس قدر برکت ہوئی کہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی، پھر مکہ واپس آئے اور امانت

[1] سيرة ابن هشام: 166/1. [2] صحيح البخاري، الإجارة، باب رعي الغنم على قراريط، حديث: 2262. [3] صحيح البخاري، الأطعمة، باب الكباث وهو (ثمر) الأراك، حديث: 5453. [4] سنن أبي داود، الأدب، باب في كراهية المراء، حديث: 4836، وسنن ابن ماجه، التجارات، باب الشركة والمضاربة، حديث: 2287، و مسند أحمد: 425/3.

ادا فرما دی۔[1]

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی ادھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے امانت وبرکت کا یہ حال دیکھا تو دم بخود رہ گئیں، پھر میسرہ نے آپ کے شیریں شمائل، بلند اخلاق اور کہا جاتا ہے: ”دھوپ میں دو فرشتوں کے سایہ کرنے“ کا حال بیان کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ان کا گوہرِ مراد انھیں مل گیا ہے، چنانچہ انھوں نے آپ کے پاس اپنی ایک سہیلی کو بھیج کر شادی کی خواہش کا اظہار کیا۔ آپ نے تجویز پسند کی اور چچاؤں سے گفتگو کی۔ انھوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا عمرو بن اسد کو پیغام بھیجا، بات طے ہو گئی اور بنو ہاشم اور سردارانِ قریش کی ایک مجلس میں بیس اونٹ ...... اور کہا جاتا ہے چھ اونٹ...... مہر پر نکاح ہو گیا۔ خطبۂ نکاح ابو طالب نے پڑھا جس میں اللہ کی حمد وثنا کی، پھر آپ کے فضل وشرف کا ذکر کیا۔ اس کے بعد ایجاب وقبول کے کلمات کہے اور مہر بیان کیا۔

یہ ملک شام سے واپسی کے دو مہینے اور چند دن بعد کی بات ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر 25 سال تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر مشہور قول کے مطابق چالیس سال تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ 28 سال تھی، کچھ اور اقوال بھی ہیں۔ حضرت خدیجہ کی شادی پہلے عتیق بن عائذ مخزومی سے ہوئی تھی۔ وہ انتقال کر گیا تو ابو ہالہ تیمی سے ہوئی اور اس سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا، پھر ابو ہالہ بھی انتقال کر گیا۔ اس کے بعد بڑے بڑے سردارانِ قریش نے شادی کرنی چاہی مگر حضرت خدیجہ راضی نہ ہوئیں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آپ کے شرفِ زوجیت سے نوازا اور ایسی سعادت عطا فرمائی کہ پہلوں اور پچھلوں سب کے لیے باعثِ رشک ٹھہریں۔

نبی ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی پہلی بیوی تھیں، ان کے جیتے جی آپ نے کسی اور سے شادی نہ کی۔ آپ کی تمام اولاد بھی اُنھی سے تھی۔ صرف ابراہیم ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے تھے۔ ان کی اولاد کے نام یہ ہیں پہلے قاسم، پھر

[1] سیرت ابن هشام :1/ 188,187.

زینب، پھر رقیہ، پھر اُم کلثوم، پھر فاطمہ پھر عبداللہ۔ کچھ لوگوں نے تعداد اور ترتیب دونوں میں اس سے اختلاف کیا ہے۔ آپ ﷺ کے تمام لڑکے بچپن ہی میں فوت ہو گئے، البتہ تمام بچیوں نے عہدِ نبوت پایا، اسلام لے آئیں اور ہجرت بھی کی...... اور سب کی سب آپ کی زندگی ہی میں فوت بھی ہو گئیں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں۔[1]

بیت اللہ کی تعمیر اور حجر اسود کے جھگڑے کا فیصلہ آپ کی عمر کا پینتیسواں سال تھا کہ ایک زور دار سیلاب آیا جس سے خانۂ کعبہ کی دیواریں پھٹ گئیں۔ یہ دیواریں ایک بار کعبہ میں آگ لگ جانے کی وجہ سے پہلے ہی کمزور ہو چکی تھیں۔ اب قریش مجبور ہوئے کہ از سرِ نو تعمیر کریں۔ اس موقع پر انھوں نے فیصلہ کیا کہ اس تعمیر میں صرف حلال مال ہی خرچ کریں گے، چنانچہ رنڈی کی اجرت، سود کی دولت اور کسی کا ناحق لیا ہوا مال اس میں استعمال نہیں کریں گے۔ انھیں خانہ کعبہ گراتے ہوئے بھی ڈر لگ رہا تھا مبادا اللہ کا عذاب ٹوٹ پڑے۔ بالآخر ولید بن مغیرہ نے یہ کہہ کر ڈھانا شروع کیا کہ اللہ مصلحین کو ہلاک نہیں کرتا۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ نہیں ہوا تو انھوں نے بھی ڈھانا شروع کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام والی بنیاد تک گرا ڈالا۔

اس کے بعد تعمیر شروع کی، تعمیر کے لیے ہر قبیلے کا الگ الگ حصہ مقرر تھا، اشراف اپنے کاندھوں پر پتھر لاتے اور ڈھیر لگاتے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے چچا عباس بھی پتھر ڈھو رہے تھے۔ تعمیر کا کام باقوم نامی ایک رومی معمار کر رہا تھا چونکہ مال اتنا جمع نہ ہو سکا تھا کہ عمارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر مکمل کی جا سکتی، اس لیے شمال کی طرف سے تقریباً چھ ہاتھ چھوڑ کر اس پر ایک چھوٹی سی دیوار اٹھا دی گئی تا کہ علامت رہے کہ یہ کعبہ کا حصہ ہے۔ اسی کو ''حِجر اور حطیم'' کہتے ہیں۔

جب دیوار ''حجر اسود'' تک اٹھ چکی تو ہر سردار نے چاہا کہ وہی حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا

[1] سیرت ابن ھشام :1/189 –191، تلقیح، ص: 7، وفتح الباري : 7/105.

شرف حاصل کرے۔ اس پر سخت جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا جو چار پانچ روز جاری رہا اور قریب تھا کہ حرم میں خون خرابہ ہو جاتا لیکن ابوامیہ نے، جو سب سے زیادہ عمر رسیدہ تھا، یہ کہہ کر فیصلے کی ایک صورت پیدا کر دی کہ مسجد حرام کے دروازے سے جو شخص پہلے داخل ہو، اسے اس جھگڑے کا حَکَم مان لیں۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ اللہ کی مشیت دیکھیں کہ اس کے بعد سب سے پہلے جو شخص داخل ہوا، وہ آپ ﷺ تھے۔ قریش نے دیکھتے ہی کہا:

«هٰذَا الْأَمِينُ رَضِينَاهُ، هٰذَا مُحَمَّدٌ»

"یہ محمد ہیں جو امین ہیں، ہم ان سے راضی ہیں۔"

پھر آپ ﷺ ان کے پاس پہنچے تو آپ کو تفصیل بتائی گئی۔ آپ نے اس کا یہ حل نکالا کہ ایک چادر لی، اس میں حجر اسود رکھا اور سب سرداروں سے کہا کہ اس کا کنارہ پکڑ کر اوپر اٹھائیں۔ سب نے ایسا ہی کیا۔ جب چادر حجر اسود کی جگہ تک پہنچ گئی تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ یہ اتنا عمدہ فیصلہ تھا کہ اس پر سب خوش ہو گئے۔

حجرِ اسود زمین سے ڈیڑھ میٹر بلندی پر ہے اور دروازہ تقریباً دو میٹر اونچا ہے۔ قریش نے اسے اتنا اونچا اس لیے رکھا تاکہ ان کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کعبہ میں داخل نہ ہو سکے۔ دیواریں اٹھارہ ہاتھ بلند ہیں جبکہ پہلے نو ہاتھ تھیں۔ اندرونِ کعبہ دو قطاروں میں چھ ستون کھڑے کیے گئے ہیں اور پندرہ ہاتھ کی بلندی پر چھت بنائی گئی ہے جبکہ پہلے نہ ستون تھے اور نہ چھت۔[1]

نبوت سے پہلے آپ (ﷺ) کی سیرت

آپ ﷺ بچپن ہی سے سلیم العقل، پاکدامن اور بھرپور قوت کے مالک تھے۔ جوانی اور پختگی کا زمانہ آیا تو آپ کی خوبیاں اور نکھر آئیں۔

[1] سیرت ابن هشام: 192/1 -197، وتاريخ طبري: 289/2 ومابعد- صحيح البخاري، الحج، باب فضل مكة و بنيانها حديث: 1582، و مسند أبي داود الطيالسي: 22/3، حديث: 1496، محاضرات، تاريخ الأمم الإسلاميه، از خضری بك: 65,64/1.

آپ درست سوچ، صحیح نظر، بہترین اخلاق اور عمدہ عادات کا سب سے بلند نمونہ تھے۔ سچائی اور امانت، مردانگی اور شجاعت، عدل اور حکمت، زہد اور قناعت، بردباری اور عفت، صبر وشکر، حیا اور وفا، خیر خواہی اور تواضع سب میں ممتاز تھے۔ بھلائی اور احسان میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔

ابو طالب نے کیا خوب کہا ہے:

أَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْأَرَامِلِ

”وہ گورے مکھڑے والا جس کی برکت سے ابرِ رحمت برستا ہے، وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کا نگہبان ہے۔“

آپ صلہ رحمی کرتے تھے۔ لوگوں کا بوجھ اپنے سر لے لیتے تھے۔ تنگ دست کی ایسی مدد فرماتے کہ مالدار ہو جاتا یا روزگار پہ لگ جاتا۔ مہمان کی میزبانی کرتے اور مصیبت کے مارے ہوؤں سے تعاون فرماتے۔[1]

اللہ نے آپ کی حفاظت ونگہبانی کا خاص انتظام فرمایا تھا اور قوم کے اندر پھیلی ہوئی خرافات اور برائیوں کے خلاف آپ کے دل میں نفرت ڈال دی تھی، چنانچہ آپ بتوں کی عید پر حاضر ہوتے تھے نہ شرک کے میلوں میں جاتے تھے۔ آپ آستانوں یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور کھاتے نہ بتوں کو چھوتے اور نہ ان سے تقرب حاصل کرتے۔ لات وعزیٰ کی قسم تو سننا بھی گوارا نہ فرماتے تھے۔[2]

شراب نوشی اور کھیل کود کی مجلسوں سے آپ انتہائی دور تھے، ایسی کسی مجلس میں آپ ﷺ نے کبھی شرکت نہ فرمائی، حالانکہ یہی مجلسیں جوانوں کی تفریح گاہ اور دوستوں کی جائے ملاقات ہوا کرتی تھیں۔

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي ......، حديث : 3. [2] سیرت ابن ہشام: 128/1، وتاریخ طبری: 161/2، وتہذیب تاریخ دمشق: 376,373/1.

باب:2

نبوت و رسالت سے سرفرازی، دعوت اور پیش آمدہ مصائب

نبوت کے آثار اور سعادت کی جھلکیاں پیچھے جو حالات بیان کیے جا چکے ہیں، ان کی وجہ سے آپ (ﷺ) اور آپ کی قوم کے درمیان فکری اور عملی فاصلہ بڑھتا گیا۔ آپ قوم کی بدبختی اور بگاڑ دیکھ کر رنجیدہ رہنے لگے، ان سے الگ تھلگ اور تنہا رہنے کی خواہش بڑھنے لگی اور یہ سوچ بھی گہری ہونے لگی کہ انھیں ہلاکت اور تباہی سے کیونکر بچایا جائے۔

عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ رنج اور یہ خواہش بڑھتی ہی گئی اور بالآخر آپ کو کشاں کشاں غارِ حرا[1] تک لے گئی جہاں آپ ﷺ سال میں رمضان کا ایک مہینہ دینِ ابراہیم کی بچی کھچی تعلیمات کے مطابق اللہ کی عبادت کرتے اور مہینہ پورا کر کے صبح دم مکہ تشریف لاتے اور خانہ کعبہ کا طواف کر کے گھر کی راہ لیتے۔ تین سال تک آپ ﷺ کا یہی عمل رہا۔

جب چالیس سال عمر پوری ہو گئی اور یہی سنِ کمال ہے، عموماً اسی عمر میں پیغمبر بھیجے جاتے ہیں تو نبوت کی چمک دمک اور سعادت کی جھلکیاں نظر آنی شروع ہوئیں، چنانچہ آپ نیک خواب دیکھتے اور جیسا دیکھتے ویسا ہی پیش آتا، پھر روشنی نظر آنے لگی اور آواز سنائی دینے لگی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

«إِنِّي لَأَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ»

''میں مکے میں ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔''[2]

[1] حرا پہاڑ اب ''جبلِ نور'' کے نام سے مشہور ہے۔ اصل مکہ سے اس کا فاصلہ تقریباً دو میل ہے۔ اس کی بلند چوٹی دور سے نظر آتی ہے۔ اس چوٹی کے بائیں طرف کچھ نیچے اترنے کے بعد غار واقع ہے۔ غار کی لمبائی چار میٹر سے کچھ کم اور چوڑائی ڈیڑھ میٹر سے کچھ زیادہ ہے۔ [2] صحیح مسلم، الفضائل، باب ◄◄

نبوت کا آغاز اور وحی کا نزول پھر تیسرے سال کے رمضان میں جب آپ کی عمر کا اکتالیسواں سال چل رہا تھا، آپ ﷺ غار حرا کے اندر ذکر الٰہی اور عبادت میں مشغول تھے کہ یکایک حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ کو وحی ونبوت سے نوازا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز نیند میں اچھے خواب سے ہوا، آپ جو خواب دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح نمودار ہوتا، پھر آپ کو تنہائی پسند آنے لگی، چنانچہ آپ غار حرا میں خلوت اختیار فرماتے اور کئی کئی رات گھر آئے بغیر عبادت کرتے اور اس عرصے کے لیے توشہ بھی لے جاتے، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آتے اور اسی جیسی مدت کے لیے پھر توشہ لے جاتے، یہاں تک کہ آپ ﷺ غار حرا ہی میں تھے کہ آپ کے پاس حق آ گیا، یعنی آپ کے پاس فرشتہ آیا اور کہا: «اِقْرَأْ» ''پڑھو!''

آپ نے فرمایا: «مَا أَنَا بِقَارِیءٍ» ''میں پڑھنا نہیں جانتا......''

آپ فرماتے ہیں:

«فَأَخَذَنِي، فَغَطَّنِي حَتّٰی بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ:»

''اس پر اس نے مجھے پکڑ لیا اور اس زور سے دبوچا کہ مجھے چُور کر ڈالا، پھر چھوڑ کر کہا:

«اِقْرَأْ» ''پڑھو!''

میں نے کہا: «مَا أَنَا بِقَارِیءٍ» ''میں پڑھنا نہیں جانتا......''

«فَأَخَذَنِي، فَغَطَّنِي حَتّٰی بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ:»

''اس نے دوبارہ پکڑ کر دبوچا اور چُور کر ڈالا، پھر چھوڑ کر کہا:''

«اِقْرَأْ» ''پڑھو!''

«فَقُلْتُ: مَا أَنَا بِقَارِیءٍ» میں نے کہا: ''میں پڑھا ہوا نہیں ہوں......''

«فَأَخَذَنِي، فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ، ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ:»

◂◂ فضل نسب النبي ﷺ ......، حدیث: 2277.

اس نے تیسری بار دبوچا۔ اور کہا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○﴾

''پڑھ! اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ! تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم دیا۔ انسان کو وہ بات سکھائی جسے وہ جانتا نہ تھا۔''[1]

ان آیات کو لے کر رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے۔ آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر فرمایا:

«زَمِّلُونِي، زَمِّلُونِي» ''مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔''

انھوں نے چادر اوڑھا دی۔ یہاں تک کہ دہشت جاتی رہی، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو واقعہ سنا کر فرمایا:

«لَقَدْ خَشِيتُ عَلٰى نَفْسِي» ''مجھے اپنی جان کا ڈر لگتا ہے۔''

انھوں نے کہا:

«كَلَّا، وَاللّٰهِ! مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ، وَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَ تَقْرِي الضَّيْفَ، وَ تُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ»

''اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تنگدست لوگوں کی مدد کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے سلسلے میں پیش آنے والے مصائب میں مدد فرماتے ہیں۔''[2]

[1] العلق 96:1-5. [2] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي ......، حديث: 3.

اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ دورِ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی لکھنا جانتے تھے، چنانچہ توفیقِ الٰہی کے مطابق عبرانی میں انجیل لکھتے تھے۔ اس وقت وہ بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: بھائی جان! آپ اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔

ورقہ نے کہا: ''بھتیجے! تم کیا کہتے ہو؟'' آپ ﷺ نے جو کچھ دیکھا تھا، بیان کر دیا۔

ورقہ نے کہا: ''یہ تو وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ کاش! میں اس وقت جوان ہوتا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَوَمُخْرِجِيَّ هُمْ؟» ''تو کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟''

ورقہ نے کہا: ''ہاں! کوئی ایسا آدمی نہیں جو تمھارے جیسا پیغام لایا ہو مگر اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے تمھارا وہ دن (جس دن تمھاری قوم تمھیں مکہ سے نکالے گی) پالیا تو تمھاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہو گئے اور وحی رک گئی۔''[1]

آغازِ نبوت اور نزولِ وحی کی تاریخ یہ نبی ﷺ پر پہلی بار وحی اترنے اور آپ کی نبوت شروع ہونے کا واقعہ ہے۔ یہ رمضان کے مہینے میں لیلۃ القدر کے اندر پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ﴾

''رمضان کا مہینہ ہی (وہ مہینہ) ہےجس میں قرآن اتارا گیا۔''[2]

نیز ارشاد ہے:

﴿إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ''ہم نے قرآن کو عزت والی رات میں اتارا۔''[3]

صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ واقعہ رات کے پچھلے پہر سوموار کی فجر طلوع ہونے

① صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف بدء الوحي الى رسول الله ﷺ، حديث : 3، صحيح مسلم، الإيمان، باب بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، حديث: 160. ② البقرة 185:2. ③ القدر 1:97.

سے پہلے پیش آیا چونکہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کسی طاق رات میں ہوا کرتی ہے اور اس سال سوموار 21 رمضان کو لیلۃ القدر تھی، اس لیے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ (ﷺ) کی نبوت آپ کی پیدائش کے اکتالیسویں سال 21 رمضان سوموار کی رات شروع ہوئی،[1] اس روز اگست کی دس تاریخ تھی اور 610 عیسوی۔ قمری حساب سے اس وقت آپ ﷺ کی عمر چالیس سال چھ مہینے بارہ دن تھی اور شمسی حساب سے انتالیس سال تین مہینے بائیس دن، لہٰذا آپ کی بعثت چالیس سال شمسی کے سرے پر ہوئی۔[2]

وحی کی بندش اور دوبارہ نزول جیسا کہ بتایا گیا، غار حرا میں پہلی وحی اتر کر بند ہوگئی تھی، یہ بندش کئی روز تک قائم رہی۔[3] اس کی وجہ سے نبی ﷺ کو سخت رنج وملال ہوا لیکن مصلحتِ الٰہی اسی میں تھی کیونکہ اس طرح خوف جاتا رہا، معاملے کی نوعیت کو سمجھنے کا موقع ملا اور دوبارہ وحی کی مشقت جھیلنے کے لیے صرف یہی نہیں کہ طبیعت آمادہ ہوگئی بلکہ ایک گونہ شوق وطلب بھی پیدا ہوئی اور آپ ﷺ دوبارہ وحی آنے کا انتظار فرمانے لگے۔

ادھر گوشہ نشینی کی بقیہ مدت پوری کرنے کے لیے آپ ﷺ ورقہ کے پاس سے پلٹ کر دوبارہ غارِ حرا میں تشریف لا چکے تھے، پھر جب ماہِ رمضان ختم ہوگیا اور آپ کی مدتِ اعتکاف پوری ہوگئی تو حسبِ عادت پہلی شوال کی صبح حرا سے اتر کر مکہ روانہ ہوئے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«فَلَمَّا اسْتَبْطَنْتُ الْوَادِيَ نُودِيتُ، فَنَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، وَّنَظَرْتُ عَنْ شِمَالِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، وَّنَظَرْتُ أَمَامِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، وَّنَظَرْتُ خَلْفِي فَلَمْ أَرَ شَيْئًا، فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَرَأَيْتُ شَيْئًا، فَإِذَا الْمَلَكُ

[1] ایک صحیح حدیث کے مطابق نزولِ قرآن کی تاریخ 24 رمضان المبارک (25 ویں رات) ہے۔ (مسند أحمد: 107/4) [2] صحیح مسلم، الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة أیام من کل شهر، حدیث: 1162 و 368/1 (هندی)، ومسند أحمد: 299,297/5 والسنن الکبریٰ للبیهقي: 286/4، والمستدرك للحاکم: 602/2. [3] طبقات ابن سعد: 196/1.

الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءَ، جَالِسٌ عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَجُئِثْتُ مِنْهُ رُعْبًا حَتَّى هَوَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ، فَأَتَيْتُ خَدِيجَةَ، فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي، زَمِّلُونِي، دَثِّرُونِي وَ صُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا، فَدَثَّرُونِي وَ صَبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا، فَنَزَلَتْ:»

”میں پہاڑ سے اتر کر میدان میں پہنچا تو مجھے پکارا گیا۔ میں نے دائیں دیکھا تو وہاں کچھ دکھائی نہ دیا، بائیں دیکھا تو وہاں بھی کچھ دکھائی نہ دیا، پھر آگے دیکھا تو وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا، پھر پیچھے دیکھا تو وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا۔ اس کے بعد میں نے سر اوپر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ جو فرشتہ حرا میں میرے پاس آیا تھا وہی آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر میرا پورا وجود اس کے رعب سے بھر گیا، یہاں تک کہ میں زمین کی طرف جا جھکا، پھر میں خدیجہ کے پاس آیا اور کہا: مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو، مجھ پر کمبل ڈال دو اور ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارو“! انھوں نے کمبل اوڑھا دیا اور ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے، پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَٱلرُّجْزَ فَٱهْجُرْ ۝﴾

”اے کمبل پوش! اٹھ اور (لوگوں کو ان کی بدعملی کے نتائج سے) ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے الگ تھلگ رہ۔“[1]

یہ واقعہ نماز فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔ اس کے بعد وحی میں تیزی آ گئی، چنانچہ پے درپے وحی آنے لگی۔[2] ان آیات سے آپ کی رسالت شروع ہوئی، آپ کی یہ رسالت آپ کی نبوت کے اتنے دنوں بعد شروع ہوئی جتنے دنوں وحی بند رہی تھی۔ ان آیات میں

① المدثر 74:1-5. ② صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿وَٱلرُّجْزَ فَٱهْجُرْ﴾، حديث: 4926 وصحيح مسلم الإيمان، باب بدء الوحي إلى رسول اللهﷺ، حديث: 161.

آپ ﷺ کو دو طرح کے کام سونپے گئے ہیں اور دونوں کے نتائج بھی بتا دیے گئے ہیں۔

ایک کام یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کا حکم بتائیں اور بدعملی کے نتائج سے ڈرائیں۔ آپ کو یہ حکم ﴿قُمْ فَأَنذِرْ﴾ ''اٹھ اور ڈرا'' کے ذریعے سے دیا گیا ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ لوگوں کو یہ بتا اور سمجھا دیں کہ وہ جس طرح کی گمراہی و بدعملی میں مبتلا ہیں اور غیر اللہ کی پوجا اور اللہ کی بعض صفات و افعال اور حقوق میں دوسروں کو شریک ٹھہرانے کا جو کام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس پر ان کو عذاب دے گا۔

دوسرا کام یہ ہے کہ آپ خود اپنے اوپر اللہ کے احکام لاگو کریں تاکہ آپ کو اللہ کی خوشنودی بھی حاصل ہو اور آپ دوسروں کے لیے نمونہ بھی ٹھہریں۔ یہ حکم بقیہ آیات میں دیا گیا ہے۔

- چنانچہ ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ آپ بڑائی اور کبریائی کے لیے اللہ ہی کو خاص کر لیں۔ اس میں کسی اور کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔
- اور ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ کے بظاہر معنی یہ ہیں کہ کپڑے اور جسم پاک رکھیں کیونکہ اللہ کے سامنے نجاست اور گندگی کے ساتھ کھڑے ہونا ٹھیک نہیں مگر محققین کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی روح کو پاک اور منزہ رکھیں۔
- اور ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی ناراضی و عذاب کے اسباب سے اور قوم کی بداعمالیوں، گندگیوں اور آلودگیوں سے الگ ہو جائیں۔
- اور ﴿وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ﴾ ''زیادہ چاہنے کے لیے احسان نہ کر'' کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں احسان کے بدلے کی خواہش اور امید نہ رکھیں بلکہ یہ سمجھ لیں کہ یہ مشکلات اور آزمائشوں کا راستہ ہے، لہٰذا اپنی قوم کا دین چھوڑنے اور ایک اللہ کی طرف بلانے پر تکالیف اور دشواریاں سہنے کے لیے تیار رہیں۔
- اور ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ اپنے رب کے لیے صبر کر۔''

تبلیغ کا آغاز ان آیات کے اترنے کے بعد نبی ﷺ دعوت وتبلیغ کے کام میں لگ گئے۔ چونکہ آپ کی قوم اکھڑ اور بت پرست تھی، باپ دادا سے جو کچھ ہوتا آیا تھا اسی کو حق سمجھتی تھی، اس میں اکڑ اور تکبر بھی بہت تھا، نیز وہ اپنے معاملات کے فیصلے تلوار سے کیا کرتی تھی، اس لیے اللہ نے آپ ﷺ کے لیے یہ راستہ چنا کہ تبلیغ کا کام خاموشی اور راز داری سے کریں اور صرف اسی کو مخاطب کریں جو بھلا، حق پسند اور قابلِ اطمینان ہو اور ان میں بھی سب سے پہلے اپنے گھر، کنبے، قبیلے اور دوست احباب کو دعوت دیں۔

پہلے پہل ایمان لانے والے اس پروگرام کے مطابق نبی ﷺ نے دعوت وتبلیغ شروع کی تو کئی خوش قسمت لوگوں نے اسے لپک کر قبول کیا اور آپ پر ایمان لے آئے۔

ان میں سب سے پہلا نام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ وہ آپ کی بیوی ہونے کی وجہ سے آپ کے بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کو سب سے اچھی طرح جانتی تھیں۔ انھیں یہ بھی پتہ تھا کہ ایک آخری نبی کی آمد ابھی باقی ہے۔ وہ آپ کے تعلق سے کچھ معجزانہ حالات و واقعات بھی سن چکی تھیں اور آپ ﷺ میں نبوت ورسالت کی جھلک بھی دیکھ چکی تھیں۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ ورقہ جیسے صاحبِ علم وبصیرت نے بتایا تھا کہ حرا میں جو فرشتہ آپ کے پاس آیا تھا، وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور جو کچھ لائے تھے، وہ وحیِ الٰہی تھی اور سب سے آخری بات یہ کہ سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات جب اتر رہی تھیں تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنفسِ نفیس وہاں موجود تھیں، اس لیے یہ بالکل فطری بات تھی کہ وہ سب سے پہلے ایمان لاتیں۔

اِدھر ان آیات کے اترتے ہی نبی ﷺ اپنے جگری دوست ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انھیں اپنی نبوت ورسالت سے آگاہ کرتے ہوئے ایمان لانے کی دعوت دی۔ انھوں نے بے کھٹک ایمان قبول کیا اور فوراً تصدیق کرتے ہوئے حق کی شہادت دی، چنانچہ وہ اس امت کے سب سے پہلے مومن ہیں۔ وہ آپ سے دو سال چھوٹے تھے اور آپ کا کھلا چھپا سب کچھ جانتے تھے، لہٰذا ان کا ایمان لانا آپ ﷺ کی سچائی کا بہترین ثبوت ہے۔

پہلے پہل ایمان لانے والوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ کفالت تھے۔ آپ ہی کے پاس رہتے تھے اور آپ ہی ان کے کھانے پینے کا بندوبست اور ان کی دیکھ بھال کرتے تھے کیونکہ قریش قحط سالی سے دوچار تھے اور ابوطالب کے پاس مال کم اور اولاد زیادہ تھی، لہٰذا ان کے بیٹے جعفر کو حضرت عباس پال رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پالا تھا۔ وہ آپ کے بچوں کی طرح آپ کے یہاں رہتے تھے اور آغازِ نبوت کے وقت بلوغت کے قریب پہنچ چکے تھے اور ایک قول کے مطابق ابھی دس سال کے تھے۔ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے وہی وہ بھی کرتے تھے، لہٰذا جب آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گئے اور وہ بچوں میں سب سے پہلے مومن تھے۔

اسی طرح پہلے پہل ایمان لانے والوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی تھے۔ یہ دورِ جاہلیت میں گرفتار کر کے بیچ دیے گئے تھے، پھر انھیں حکیم بن حزام نے خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا اور حضرت خدیجہ نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیا تھا۔ جب ان کے والد اور چچا کو ان کی موجودگی کا علم ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیں اور فدیہ لینے میں بھی احسان فرمائیں۔ آپ نے زید کو بلایا اور اختیار دیا کہ چاہے آپ کے پاس رہیں، چاہے والد اور چچا کے ساتھ چلے جائیں۔ انھوں نے آپ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ آپ نے اسی وقت قریش کے مجمع میں جا کر اعلان فرمایا:

«اِشْهَدُوا أَنَّ هٰذَا ابْنِي وَارِثًا وَّمَوْرُوثًا»

"گواہ رہو آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ وہ میرا وارث اور میں اس کا وارث ہوں گا۔"

اور اسی دن سے ان کو "زید بن محمد" کہا جانے لگا۔ والد اور چچا یہ منظر دیکھ کر بخوشی واپس چلے گئے۔

یہ سارا واقعہ نبوت سے پہلے کا ہے، اسلام آیا تو اس نے منہ بولے بیٹے کا رواج ختم کر دیا اور حضرت زید کو زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔

یہ چاروں حضرات اس دن ایمان لائے تھے، جس دن سورت مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئی تھیں۔ کہنے والوں نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق کہا ہے کہ سب سے پہلے وہی ایمان لائے۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تبلیغ میں سرگرم ہو گئے اور حقِ رسالت ادا کرنے میں نبی ﷺ کا دایاں بازو بن گئے۔ وہ بڑے پاک دامن، پسندیدہ، نرم مزاج، شریف، دریا دل اور معزز تھے، عرب کے انساب و واقعات سب سے زیادہ جانتے تھے۔ ان کے کردار و اخلاق، جود و سخا، علم و فضل، لین دین اور میل جول کی خوبیوں کی وجہ سے ان کے پاس ہر قسم کے لوگوں کی آمد و رفت برابر رہا کرتی تھی۔ اب جس کو وہ بھلا اور بھروسے کے لائق محسوس کرتے اسے اسلام کی دعوت دے دیتے۔ اس طرح کبار صحابہ کی ایک جماعت نے ان کے ذریعے سے اسلام قبول کیا جن میں سرِفہرست عثمان بن عفان اموی، زبیر بن عوام اسدی، عبد الرحمٰن بن عوف زُہری، سعد بن ابی وقاص زُہری اور طلحہ بن عبید اللہ تیمی رضی اللہ عنہم کے نام آتے ہیں۔ ان سب کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کی حقیقت سے آگاہ کیا اور انھیں نبی ﷺ کے پاس لے آئے تو ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے بعد مندرجہ ذیل افراد نے اسلام قبول کیا:

امین الامت ابو عبیدہ عامر بن جراح، ابو سَلَمہ بن عبد الاسد، ان کی بیوی ام سَلَمہ، ارقم بن ابی الارقم، عثمان بن مظعون، ان کے بھائی قُدامہ بن مظعون اور عبد اللہ بن مظعون، عبیدہ بن حارث بن مطّلب بن عبد مناف، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل اور ان کی بیوی حضرت عمر کی بہن فاطمہ بنت خطاب، خباب بن ارتؓ، جعفر بن ابی طالب اور ان کی بیوی اسماء بنت عُمیس، خالد بن سعید بن عاص اور ان کی بیوی امینہ بنت خلف، پھر ان کے بھائی عمرو بن سعید بن عاص، حاطب بن حارث، ان کی بیوی فاطمہ بنت مجلل اور ان کے بھائی خطاب بن حارث اور ان کی بیوی فُکَیْہہ بنت یسار، نیز ان کا ایک اور بھائی معمر بن حارث، مطّلب بن ازہر اور ان کی بیوی رَملہ بنت ابو عوف اور نعیم بن عبد اللہ بن نحام رضی اللہ عنہم۔

یہ سب لوگ قریشی تھے اور قریش کی مختلف شاخوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس ابتدائی دور میں قریش کے علاوہ دوسرے قبائل سے جو لوگ اسلام لائے ان کے نام یہ ہیں:

عبداللہ بن مسعود ہذلی، مسعود بن ربیعہ القاری، عبداللہ بن جحش اور ان کے بھائی ابواحمد بن جحش، صُہَیب بن سِنان رومی، عمار بن یاسر عنسی، ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ اور عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہم۔

اوپر ذکر کی گئی خواتین کے علاوہ جن عورتوں نے اسلام کی طرف سبقت کی ان کے نام یہ ہیں: ام ایمن برکت حبشیہ جو نبی ﷺ کو بچپن میں گود کھلایا کرتی تھیں اور آپ کے والد کی لونڈی تھیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی امّ الفضل لُبابہ الکبریٰ بنت حارث ہلالیہ اور اسماء بنت ابوبکر صدیق رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ عَنْهُنَّ أَجْمَعِيْنَ.[1]

یہ لوگ اور ان کے ساتھ مزید جو لوگ اسلام لائے انھیں سابقین اولین کہا جاتا ہے۔ تلاش وجستجو سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کو قدیم الاسلام یا سابقین اولین کہا گیا ہے ان کی تعداد تقریباً ایک سوتیس تک پہنچ جاتی ہے لیکن ان میں سے ہر ایک کے اسلام لانے کا وقت ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہو سکا۔ غالباً اس میں ایسے صحابہ بھی ہیں جنھوں نے کھلم کھلا اسلام کی دعوت شروع ہونے کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔

اہلِ ایمان کی عبادت وتربیت جیسا کہ گزر چکا ہے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کے بعد وحی پے درپے آتی رہی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد سب سے پہلی سورت جو نازل ہوئی وہ سورۂ فاتحہ ہے۔ اس میں اہلِ ایمان کو حمد اور دعا کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اللہ کی ہستی کی چند جامع صفات بیان کر کے اس کا ٹھیک ٹھیک تصور دیا گیا ہے اور یہ بھی سمجھا دیا گیا ہے کہ اس دنیا میں اچھے یا بُرے، جیسے کام کرو گے ٹھیک ویسا ہی نتیجہ اور بدلہ پاؤ گے اور یہ بدلہ آگے ایک دوسری دنیا میں ملے گا۔ اس کے علاوہ کامیابی اور سعادت کے راستے کی پہچان بھی بتائی گئی ہے۔ اس طرح دینِ حق کا سارا ماحصل اس سورت کے چند سادے بولوں میں آ گیا

[1] سیرت ابن هشام: 262,245/1.

ہے اور حمد اور دعا کی شکل میں بندے کو اس کی تعلیم دی گئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ رسالت شروع ہونے کے بعد سب سے پہلے جو حکم دیا گیا، وہ نماز کا حکم تھا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے تشریف لا کر نماز اور وضو کا طریقہ بتایا اور صبح وشام دو دو رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ [1]

یوں مکمل طہارت اہلِ ایمان کی علامت ٹھہری۔ وضو کو نماز کی شرط قرار دیا گیا۔ سورۂ فاتحہ نماز کی اصل اور حمد و تسبیح نماز کے اوراد و وظائف قرار پائے۔ اب نماز ہی اہل ایمان کی اصل عبادت تھی جو انھیں قائم کرنی تھی، اس کے لیے وہ نظروں سے دور جگہوں کا انتخاب کرتے اور کبھی کبھی وادیوں اور گھاٹیوں میں بھی چلے جاتے تھے۔ [2]

اسلام کے ابتدائی دنوں میں نماز کے علاوہ کسی عبادت یا امر و نہی کا پتہ نہیں چلتا۔ وحی آتی تھی توحید کے مختلف گوشوں کو بیان کرتی تھی، صحابہ رضی اللہ عنہم کو نفس کی صفائی کی ترغیب دیتی تھی، مکارمِ اخلاق پر ابھارتی تھی، جنت وجہنم کے حالات بیان کرتی تھی اور ایسی زبردست نصیحتیں لے کر آتی تھی کہ ان سے سینے کھل جاتے تھے اور روح کو غذا ملتی تھی۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کتاب وحکمت کی تعلیم کے ذریعے سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یکجا کرتے، انھیں دلوں کی صفائی، اخلاق کی پاکیزگی، معاملات کی سچائی اور نفس کی عفت کی تربیت دیتے، تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتے، صحیح راستہ بتاتے اور اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑنے، اس کی رسی کو اچھی طرح تھامنے اور اس کے معاملے میں ثابت قدم رہنے کی تلقین فرماتے تھے۔

یوں تین برس گزر گئے اور صرف افراد کو دعوت دی جاتی رہی۔ مجلسوں اور محفلوں میں کہیں اعلانیہ تبلیغ نہیں کی گئی لیکن قریش کو اس کا علم ہو گیا اور بعض نے اس پر تنکیر بھی کی۔ بعض اہلِ ایمان پر کچھ زیادتیاں کی گئیں، تاہم عمومی طور پر قریش نے اب تک اسے کوئی

[1] شیخ عبداللہ نے اسے مختصر السیرۃ، ص: 88 میں حارث بن ابی اسامہ اور ابن ماجہ سے ذکر کیا ہے۔

[2] سیرت ابن ہشام: 247/1، ومسند أبي داود الطيالسي: 100/1، حديث: 184.

اہمیت نہیں دی۔ ادھر نبی ﷺ نے بھی ان کے دین سے کوئی تعرض کیا نہ ان کے معبودوں کے بارے میں کوئی بات کہی۔

اسلام کی علانیہ تبلیغ

قرابت داروں میں تبلیغ جب اکا دکا افراد کو خاموشی سے اسلام کی دعوت دیتے ہوئے تین برس گزر گئے، قریش اور دوسرے قبیلوں کے کچھ اچھے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور یوں اسلام کی علانیہ تبلیغ کے لیے حالات میں تھوڑی سی گنجائش ہو چلی تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا:

﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ○ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ○ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ○﴾

''اور اب آپ اپنے نزدیکی رشتے داروں کو ڈرائیں، پھر جو ایمان لائیں اور آپ کے پیروکار بن جائیں ان کے لیے اپنا بازو جھکائے رکھیں اور جو آپ کی بات نہ مانیں ان سے آپ اپنی لاتعلقی کا اعلان کر دیں۔''[1]

اس حکم پر نبی ﷺ نے اپنے سب سے نزدیکی قرابت داروں، یعنی بنو ہاشم کو اکٹھا کیا۔ ان کے ساتھ بنو مُطّلب کے بھی کچھ آدمی تھے۔ آپ نے ان کے سامنے اللہ کی حمد وثنا کی۔ اس کی وحدانیت کی شہادت دی اور فرمایا:

«وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ! إِنِّي لَرَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، وَاللّٰهِ لَتَمُوتُنَّ كَمَا تَنَامُونَ، وَلَتُبْعَثُنَّ كَمَا تَسْتَيْقِظُونَ، وَ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُونَ، وَ إِنَّهَا الْجَنَّةُ أَبَدًا أَوِ النَّارُ أَبَدًا»

''اللہ وحدہ لاشریک کی قسم میں تمھارے لیے خصوصاً اور تمام انسانوں کے لیے عموماً

[1] الشعرآء 26:214-216۔

اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ کی قسم! تم لوگ اسی طرح مر جاؤ گے جیسے سوتے ہو، پھر اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جیسے جاگتے ہو۔ اس کے بعد تم سے تمھارے اعمال کا حساب لیا جائے گا، پھر یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہوگی یا ہمیشہ کے لیے جہنم۔“

نبی ﷺ کی باتیں سن کر سب نے نرمی سے گفتگو کی۔ صرف آپ کے چچا ابولہب نے کہا: ”اس کا ہاتھ اس سے پہلے پکڑ لو کہ عرب اس کے خلاف اکٹھے ہوں ورنہ اس وقت اگر اس کو ان کے حوالے کرو گے تو ذلت اٹھاؤ گے اور اگر اسے بچانا چاہو گے تو مارے جاؤ گے۔“

مگر آپ کے چچا ابو طالب نے کہا: ”تمھیں جو حکم ملا ہے، اسے کر گزرو۔ واللہ! میں مسلسل تمھاری حفاظت اور بچاؤ کرتا رہوں گا، البتہ میرا جی نہیں چاہتا کہ میں اپنے والد عبدالمطلب کا دین چھوڑ دوں۔“ [1]

صفا کی پہاڑی پر انھی دنوں اللہ نے ایک اور حکم اتارا:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾

”تمھیں جس بات کا حکم دیا جا رہا ہے، اسے کھلم کھلا بیان کر دو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔“ [2]

یہ حکم ملنے کے بعد ایک روز رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے اور سب سے اونچے پتھر پر چڑھ کر صدا لگائی: «يَا صَبَاحَاه» ”ہائے صبح!“

یہ پکار اس بات کی علامت ہوا کرتی تھی کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے یا کوئی بڑا حادثہ پیش آ گیا ہے۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے قریش کے ایک ایک خاندان اور کنبے کو نام بنام پکارنا شروع کیا:

«يَا بَنِي فِهْرٍ! يَا بَنِي عَدِيٍّ! يَا بَنِي فُلَانٍ! يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ!

[1] الکامل لابن الأثیر :585,584/1. [2] الحجر 94:15.

يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ!»

’’اے بنی فہر! اے بنی عدی! اے بنی فلاں! اے بنی عبد مناف! اے بنی عبدالمطلب!‘‘

جب لوگوں نے یہ آواز سنی تو کہا: یہ کون پکار رہا ہے؟ کچھ لوگوں نے بتایا: کہ محمد ﷺ، اس پر ہر طرف سے لوگ دوڑ پڑے، یہاں تک کہ اگر کوئی آدمی خود نہ آسکا تو اپنی جگہ کسی دوسرے کو بھیج دیا کہ دیکھ کر آئے کیا بات ہے۔ یوں جب سب اکٹھے ہوگئے تو آپ نے فرمایا:

«أَرَأَيْتَكُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِي بِسَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ، تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ، أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟»

’’یہ بتاؤ! اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے وادی میں گھڑ سواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟‘‘

لوگوں نے کہا: ہاں ہاں! ہم نے آپ کو کبھی جھوٹا نہیں پایا۔ ہم نے ہمیشہ آپ کو سچا ہی پایا ہے۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ، إِنَّمَا مَثَلِي وَ مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ، رَأَى الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ، يَرْبَأُ أَهْلَهُ، فَخَشِيَ أَنْ يَّسْبِقُوهُ، فَجَعَلَ يُنَادِي «يَا صَبَاحَاهُ»

’’اچھا تو میں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے تمھیں ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میری اور تمھاری مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی آدمی نے دشمن کو دیکھ لیا اور جھٹ پٹ دوڑا کہ گھر والوں کی حفاظت کا بندوبست کرے لیکن اس نے خطرہ محسوس کیا کہ دشمن اس سے پہلے انھیں آدبوچے گا، لہٰذا وہ زور زور سے پکارنے لگا: یَا صَبَاحَاہ ہائے صبح!‘‘

اس کے بعد نبی ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ 'لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کا سچے دل سے اقرار کریں اور بتلایا کہ یہی کلمہ دنیا کی کامیابی اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے اور سمجھایا کہ اگر وہ اپنے شرک پر جمے رہے اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی باتوں پر ایمان نہ لائے تو اللہ کا عذاب انھیں اپنی گرفت میں لے لے گا اور آپ رسول ہونے کے باوجود انھیں عذاب سے بچا سکیں گے نہ اللہ سے چھڑا سکیں گے۔ آپ نے یہ ڈراوا عام لوگوں کو بھی سنایا اور خاص لوگوں کو بھی، چنانچہ فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ، أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا، وَّلَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

''اے قریش کے لوگو! جہنم سے نجات کے بدلے میں اللہ سے اپنی جانوں کا سودا کر لو کیونکہ میں تمھارے نفع ونقصان کا مالک نہیں اور نہ تمھیں اللہ سے بچانے کے سلسلے میں تمھارے کام آ سکتا ہوں۔

«يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا»

اے بنی کعب بن لوی! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو کیونکہ میں تمھارے نفع ونقصان کا مالک نہیں۔

«يَا بَنِي مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ»

اے بنی مرہ بن کعب! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔

«يَا مَعْشَرَ بَنِي قُصَيٍّ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا»

اے بنی قصی! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔ میں تمھارے نفع ونقصان کا مالک نہیں۔

«يَا بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ»

اے بنی عبد شمس! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔

«يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا»

اے بنی عبد مناف! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو کیونکہ میں تمھارے نفع ونقصان کا مالک نہیں۔

«يَا بَنِي هَاشِمٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ»

اے بنی ہاشم! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو۔

«يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا، وَّلَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا، سَلُونِي مِنْ مَّالِي مَا شِئْتُمْ، لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

اے بنی عبد المطلب! اپنے آپ کو جہنم سے بچالو کیونکہ میں تمھارے نفع ونقصان کا مالک نہیں اور تمھیں اللہ سے بالکل نہیں بچا سکتا۔ میرے مال میں سے جتنا چاہو مانگ لو مگر میں تمھیں اللہ سے بچانے کے لیے کوئی اختیار نہیں رکھتا۔

«يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ سے بچانے کے لیے تمھارے بھی کچھ کام نہیں آ سکتا۔

«يَا صَفِيَّةُ بِنْتَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ! لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ بنت عبد المطلب! میں اللہ سے بچانے کے لیے

تمھارے بھی کچھ کام نہیں آ سکتا۔

«يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ! سَلِينِي بِمَا شِئْتِ، أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

اے رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ! جو مال چاہو مانگ لو مگر اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ میں تمھیں بھی اللہ سے بچانے کے لیے کچھ کام نہیں آ سکتا۔

«غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا، سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا»

ہاں تم لوگوں سے نسب وقرابت کا تعلق ہے جسے اس کی تری کے مطابق تر کروں گا، یعنی حق رشتہ داری نبھاؤں گا۔"

اس ڈراوے کے بعد لوگ اِدھر اُدھر بکھر گئے اور ایسا کوئی بیان نہیں ملتا کہ فوری طور پر لوگوں نے کسی قسم کی مخالفت یا تائید کی ہو، البتہ ابولہب بدسلوکی سے پیش آیا۔ اس نے کہا: تو سارا دن غارت ہو۔ تو نے اسی لیے ہم کو اکٹھا کیا تھا؟ اس کے جواب میں سورہ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ وہ، اس کی بیوی اور اس کا مال سب غارت ہو جائیں گے اور جہنم کا ایندھن بنیں گے۔[1]

جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے تو لگتا ہے کہ وہ یہ ڈراوا سن کر حیرت میں پڑ گئے اور فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکے کہ اُنھیں کیا کرنا چاہیے لیکن جب وہ گھروں کو واپس ہوئے، طبیعتوں کو قرار آیا، حیرت وتعجب ختم ہوا اور وہ مطمئن ہو گئے تو متکبرانہ خیالات نے اپنی راہ بنائی اور انھوں نے اس تبلیغ اور ڈراوے کو حقارت اور مذاق کی نظر سے دیکھا، چنانچہ نبی ﷺ جب ان کے بڑوں کے پاس سے گزرتے تو وہ اس طرح کی باتیں کہتے:

"یہی ہے جسے اللہ نے رسول بنا دیا ہے۔ ابوکبشہ کا یہ لڑکا آسمان سے مخاطب کیا

[1] از مجموعہ روایات صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾، حديث: 4770، وصحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾، حديث: 208، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الشعراء، حديث: 3184 وغيره۔

جاتا ہے۔‘‘

ابو کبشہ نبی ﷺ کے ننھیالی (اور دودھیالی) نسب میں پڑتا ہے۔ اس نے قریش کا دین چھوڑ کر نصرانیت اختیار کر لی تھی، اس لیے جب نبی ﷺ نے ان سے الگ دین کا اعلان کیا تو انھوں نے آپ کو تحقیر اور طعنہ زنی کی نیت سے ابو کبشہ کی طرف منسوب کیا اور اس کے مثل قرار دیا۔

بہر حال نبی ﷺ اپنی تبلیغ میں لگے رہے اور مجمعوں اور محفلوں میں اس کا اظہار شروع کر دیا۔ آپ کتاب اللہ کی آیتیں پڑھتے اور پچھلے رسولوں نے جو پیغام سنایا تھا، وہی پیغام سناتے: ﴿يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ﴾

’’اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔‘‘[1]

اس کے ساتھ ہی آپ نے لوگوں کی آنکھوں کے سامنے کھلم کھلا اللہ کی عبادت شروع کر دی، چنانچہ آپ دن دہاڑے سارے لوگوں کے سامنے کعبے کے صحن میں نماز پڑھتے۔

آپ کی تبلیغ دھیرے دھیرے کامیاب ہوتی گئی، ایک ایک کر کے بہت سے لوگ مسلمان ہوتے گئے اور جو مسلمان ہوئے ان میں اور ان کے گھر کے دوسرے لوگوں میں دوری اور نفرت بھی پیدا ہوتی گئی۔

حاجیوں کو آگاہ کرنے کے لیے قریش کے مشورے

قریش اس پوری صورتِ حال کو تشویش کی نظر سے دیکھ رہے تھے اور ابھی اس پر تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حج کا وقت آ گیا اور انھیں حاجیوں کے بارے میں تشویش نے آ گھیرا، چنانچہ ان کی ایک جماعت ولید بن مغیرہ کے پاس آئی، یہ ان میں عمر رسیدہ اور مرتبے کا آدمی تھا۔ اس نے کہا:

’’دیکھو! حج کا وقت آ گیا ہے۔ اب ہر طرف سے لوگ تمھارے پاس آئیں گے

[1] الأعراف 85:7.

اور وہ تمھارے اس صاحب کا معاملہ سن ہی چکے ہیں، لہٰذا کوئی ایک رائے طے کرلو اور مختلف باتیں نہ کہنا ورنہ ایک دوسرے کو جھٹلا بیٹھو گے۔''

لوگوں نے کہا: ''آپ ہی کہیں اور ہمارے لیے کوئی رائے طے کر دیں۔''

اس نے کہا: ''نہیں بلکہ تم لوگ کہو میں سنوں گا۔''

لوگوں نے کہا: ''اچھا تو ہم کہیں گے وہ کاہن ہے۔''

اس نے کہا: ''وہ کاہن نہیں ہے۔ ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ اس میں نہ ان کی سی گنگناہٹ ہے نہ تک بندی۔''

لوگوں نے کہا: ''تب ہم کہیں گے کہ وہ پاگل ہے۔''

اس نے کہا: ''وہ پاگل بھی نہیں ہے۔ ہم پاگل پن کو بھی جانتے پہچانتے ہیں۔ اس میں نہ پاگلوں کی سی گھٹن ہے، نہ الٹی سیدھی حرکتیں، نہ بہکی بہکی باتیں۔''

لوگوں نے کہا: ''تب ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے۔''

اس نے کہا: ''وہ شاعر بھی نہیں ہے۔ ہمیں شعر وشاعری کی تمام قسمیں معلوم ہیں۔ وہ شاعر نہیں ہے۔''

لوگوں نے کہا: ''اچھا تو ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے۔''

اس نے کہا: ''وہ جادوگر بھی نہیں ہے۔ ہم نے جادو اور جادوگر سب دیکھے ہیں، اس میں نہ ان کی سی جھاڑ پھونک ہے نہ گرہ بندی۔''

لوگوں نے کہا: ''تب ہم کیا کہیں؟''

اس نے کہا:

''واللہ! اس کی بات میں مٹھاس، رونق اور تازگی ہے۔ اس کی جڑ پائیدار اور اس کی شاخ پھلدار ہے۔ تم جو کچھ بھی کہو واضح ہوجائے گا کہ وہ باطل ہے۔ ویسے زیادہ مناسب یہی ہے کہ وہ جادوگر ہے اور اس کی بات میں جادو ہے۔ وہ اس کے ذریعے سے باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، میاں بیوی میں، آدمی اور اس کے

خاندان میں تفرِقہ ڈال دیتا ہے۔“

یہ بات طے کر کے لوگ وہاں سے اٹھے اور انھوں نے حج کے لیے آنے والوں کی راہ میں بیٹھنا شروع کر دیا۔ اب جو بھی ان کے پاس سے گزرتا، اس سے آپ کی بات ذکر کرتے اور ڈراتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے آپ کو دیکھنے اور سننے سے پہلے ہی آپ کا معاملہ جان لیا۔[1]

اس کے بعد جب حج کے دن آگئے تو نبی ﷺ نے حاجیوں کے مجمعوں اور ڈیروں میں جا جا کر انھیں اسلام کی طرف بلانا شروع کیا۔ آپ فرماتے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا»

”لوگو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہو کامیاب رہو گے۔“

ادھر ابولہب کا یہ حال تھا کہ وہ آپ کے پیچھے پیچھے لگا رہتا۔ جھٹلاتا جاتا اور تکلیف بھی پہنچاتا۔[2] اس طرح اس حج سے جب حجاج واپس ہوئے تو پورے عرب میں نبی ﷺ کا چرچا پھیل گیا۔

مقابلے کی مختلف تدبیریں

حج کے بعد جب قریش اپنے گھروں کو واپس آکر مطمئن ہو چکے تو انھوں نے اس مسئلے کے مکمل حل کی طرف توجہ دی اور غور وفکر اور باہمی مشورے سے کئی تدبیریں طے کیں جن کے متعلق ان کا اندازہ تھا کہ ان سے اسلامی دعوت کا کام تمام کیا جا سکتا ہے۔ یہ تدبیریں مختصراً یہ ہیں:

Ⓒ **ہنسی اڑانا اور تحقیر واستہزا کی رَوِش اپنانا** اس کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور

① سيرت ابن هشام: 1/271، ودلائل النبوة للبيهقي: 2/198، أبو نعيم (دلائل) وغيره .

② مسند أحمد:3/492و4/341، والبداية والنهاية:5/75، وكنزالعمال:12/449,450.

مسلمانوں کے حوصلے ٹوٹ جائیں، چنانچہ وہ آپ ﷺ کے بارے میں کہتے:

''اس پر جادو کر دیا گیا ہے، شاعر ہے، پاگل ہے، کاہن ہے، اس کے پاس شیطان آتا ہے، جادوگر ہے، جھوٹا ہے، گھڑنتیا ہے، بناوٹی ہے وغیرہ۔ جب آپ کو آتے جاتے دیکھتے تو غصے اور انتقام کی نظر سے یوں دیکھتے گویا کھا جائیں گے اور حقارت آمیز لہجے میں کہتے: ''یہی ہے جو تمھارے خداؤں پر انگلی اٹھاتا ہے۔''

کمزور صحابہ کو دیکھتے تو کہتے:

''یہ لو، تمھارے پاس زمین کے بادشاہ آگئے۔ ارے یہی ہیں جن پر اللہ نے ہم سب کو چھوڑ کر احسان کر دیا۔''

ان کا نقشہ اللہ نے یوں کھینچا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ○ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ○ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ○ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ○﴾

''مجرم، ایمان لانے والوں کی ہنسی اڑاتے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو آنکھیں مارتے اور جب وہ اپنے گھروں کو پلٹتے تو مزے لیتے ہوئے پلٹتے اور جب انھیں دیکھتے تو کہتے کہ یہی لوگ گمراہ ہیں۔''[1]

مشرکین نے اس ہنسی، مذاق، ٹھٹھے اور طعنہ زنی کی اتنی کثرت کی کہ خود نبی ﷺ کی طبیعت اس سے متاثر ہوئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ○﴾

''ہمیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا سینہ تنگ ہو رہا ہے۔''[2]

پھر بتایا کہ اس کا اثر کیسے جائے گا اور ثابت قدمی کیسے آئے گی، چنانچہ فرمایا:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ○ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ○﴾

[1] المطففين 83:29-32. [2] الحجر 15:97.

”تم اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ موت آ جائے۔“[1]

اس سے پہلے آپ کو تسلی بھی دی گئی:

﴿إِنَّا كَفَيْنَٰكَ ٱلْمُسْتَهْزِءِينَ ۝ ٱلَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝﴾

”ہم آپ سے استہزا کرنے والوں کو کافی ہیں۔ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو معبود ٹھہراتے ہیں، انھیں بہت جلد نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔“[2]

آپ کو یہ بھی بتایا گیا کہ ان کی حرکت ان کے لیے باعثِ وبال ہو گی، چنانچہ فرمایا:

﴿وَلَقَدِ ٱسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِٱلَّذِينَ سَخِرُوا۟ مِنْهُم مَّا كَانُوا۟ بِهِۦ يَسْتَهْزِءُونَ ۝﴾

”آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ استہزا کیا جا چکا ہے جس کا نتیجہ یہ رہا ہے کہ خود ان مذاق اڑانے والوں کو ان کے استہزا نے گھیر لیا۔“[3]

لوگوں کو آپ ﷺ کی بات سننے سے روکنا انھوں نے طے کیا کہ جب نبی ﷺ کو دیکھو کہ وہ لوگوں کے درمیان دعوت و تبلیغ کے لیے کھڑے ہیں تو خوب شور مچاؤ اور لوگوں کو وہاں سے بھگا دو تاکہ انھیں اپنی بات بیان کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ مشرکین نے اس تجویز پر عمل کرنے کی ایک دوسرے کو خوب تاکید کی اور بڑی سختی اور پختگی سے اس پر عمل بھی کیا، چنانچہ ان کے مجمعِ عام میں نبی ﷺ کو تلاوتِ قرآن کا جو پہلا موقع مل سکا، وہ نبوت کے پانچویں برس رمضان کے مہینے میں ملا۔ اس موقع پر آپ نے سورتِ نجم تلاوت فرمائی تھی۔

معاملہ اس قدر سخت تھا کہ نبی ﷺ جب نماز میں قرآن کی تلاوت فرماتے اور یہ تلاوت زیادہ تر رات کو تہجد کی نماز میں ہوا کرتی تو یہ لوگ قرآن کو، اس کے اتارنے والے کو اور

① الحجر 15:98-99. ② الحجر 15:95,96. ③ الأنعام 6:10.

اسے لانے والے کو گالیاں دیتے، چنانچہ اللہ نے حکم دیا:

﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا﴾

''اپنی نماز نہ بہت اونچی آواز سے پڑھو نہ بالکل دھیمی آواز سے بلکہ بیچ کا راستہ اپناؤ۔''[1]

اسی تدبیر کا ایک حصہ یہ تھا کہ نضر بن حارث حیرہ اور شام گیا اور وہاں سے لوک کہانیاں، دارا وسکندر اور رستم واسفندیار کے قصے سیکھ کر آیا اور جہاں مجلس جمتی، داستان شروع کر دیتا اور لوگوں کو موقع ہی نہ دیتا کہ وہ نبی ﷺ کی بات سن سکیں۔ اگر پتہ چلتا کہ کسی مجلس میں بیٹھ کر آپ نے کچھ وعظ ونصیحت کی ہے تو آپ کے ہٹتے ہی ٹپک پڑتا اور قصے کہانیاں سنا کر کہتا کہ آخر محمد کی بات کیونکر مجھ سے اچھی ہے۔[2]

اس کے بعد اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا، گانے بجانے والی لونڈیاں خریدیں اور جس کے متعلق سنتا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہے تو اسے کسی لونڈی کے پاس لے جا کر اس لونڈی سے کہتا کہ اسے کھلاؤ پلاؤ اور گانے سناؤ اور اس شخص کو سمجھاؤ کہ ''محمد جس بات کی طرف بلا رہے ہیں یہ اس سے بہتر ہے۔'' اللہ نے اسی بارے میں یہ آیت نازل کی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾

''بعض لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں تاکہ علم کے بغیر اللہ کی راہ سے گمراہ کریں اور اسے مذاق بنائیں۔ ایسے لوگوں کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''[3]

شکوک وشبہات پیدا کرنا اور پروپیگنڈے کرنا اس میدان میں قریش نے بڑی سرگرمی دکھائی اور بڑا تفنن اختیار کیا، چنانچہ وہ قرآن کے بارے میں کبھی کہتے کہ یہ محض اوٹ پٹانگ خواب ہے جسے محمد رات کو دیکھتے ہیں اور دن کو تلاوت کرنے لگتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ انھوں

① بنی إسرآء یل 110:17. ② سیرت ابن ہشام :300,299/1 و 358. ③ لقمان 31 :6، والدر المنثور، تفسیر سورة لقمان 6:31 (307/5).

نے خود اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ کبھی کہتے کہ انھیں ایک انسان سکھاتا ہے۔ کبھی کہتے کہ یہ محض جھوٹ ہے جسے کچھ لوگوں کی مدد سے انھوں نے گھڑا ہے، یعنی سب مل جل کر گھڑتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ یہ تو پہلوں کے افسانے ہیں جنھیں انھوں نے لکھوا لیا ہے اور اب یہ ان پر صبح وشام تلاوت کیے جاتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ ان کے پاس ایک جن یا شیطان ہے جو اسی طرح قرآن لے کر اترتا ہے جیسے کاہنوں پر جن و شیطان اترا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا:

﴿هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ○ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ○﴾

"میں بتاؤں کس پر شیطان اترتے ہیں، وہ ایسے لوگوں پر اترتے ہیں جو پکے جھوٹے اور گناہ گار ہوں۔"[1]

یعنی شیطان صرف ایسے ہی انسانوں پر اترتے ہیں جو جھوٹے ہوں، بدکار ہوں، گناہوں میں لت پت ہوں جبکہ میں ایسا انسان ہوں کہ تم نے مجھے کبھی کوئی جھوٹ بولتے نہیں سنا اور نہ مجھ میں کسی طرح کی کوئی برائی و بدکاری پائی، پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ قرآن شیطان کا اتارا ہوا ہو۔

کبھی کہتے کہ نبی ﷺ کو ایک قسم کا جنون ہو گیا ہے جس کے اثر سے وہ عجیب وغریب قسم کے معانی ومطالب سوچتے ہیں اور انھیں نہایت عمدہ قسم کے الفاظ میں ڈھال دیتے ہیں۔ جیسے شعراء اپنے اشعار ڈھالا کرتے ہیں، لہٰذا وہ شاعر ہیں اور ان کا کلام شعر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ○ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ○ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ○﴾

"شعراء کی پیروی بہکے ہوئے لوگ کرتے ہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر میدان میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جنھیں کرتے نہیں۔"[2]

① الشعرآء 26:221-222. ② الشعراء 26:224-226.

مطلب یہ کہ یہ تین باتیں شعراء کی خصوصیات میں داخل ہیں اور ان میں سے کوئی بات بھی نبی ﷺ میں نہیں پائی جاتی، چنانچہ جو لوگ آپ کے پیروکار ہیں وہ اپنے دین میں، اپنے اخلاق میں، اپنے کردار میں، اپنے تصرفات میں، اپنے معاملات میں غرض ہر بات میں صحیح راستے پر ہیں، راست باز ہیں، پرہیزگار ہیں اور نیکوکار ہیں۔ ان کو کسی معاملے میں بہکاوا اور گمراہی چھو کر بھی نہیں گزری، پھر نبی ﷺ شاعروں کی طرح ہر وادی میں ہاتھ پاؤں بھی نہیں مارتے پھر رہے۔ بلکہ آپ کی دعوت وتبلیغ کا ایک خاص میدان ہے۔ آپ ﷺ ایک اللہ، ایک دین اور ایک راستے کی طرف بلا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ وہی بات کہتے ہیں جسے کرتے بھی ہیں اور وہی کام کرتے ہیں جسے کہتے بھی ہیں، لہٰذا آپ کو شعروشاعری سے کیا نسبت اور شعروشاعری کو آپ سے کیا نسبت۔

بحث اور کٹ حجتی مشرکین کو تین باتوں پر بہت اچنبھا تھا اور درحقیقت یہی تین باتیں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان دینی اختلاف کی جڑ تھیں ایک توحید، دوسری رسالت اور تیسری موت کے بعد اٹھایا جانا۔

تیسری اور آخری بات، یعنی موت کے بعد اٹھائے جانے کے معاملے میں ان کے پاس تعجب، اچنبھے اور عقل کی کمی کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ کہتے تھے:

﴿ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝﴾

”بھلا جب ہم مرکر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں اٹھایا جائے گا۔ بھلا ہمارے پچھلے باپ دادا بھی زندہ کیے جائیں گے۔“[1]

﴿ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝﴾ ”یہ واپسی تو بعید از عقل لگ رہی ہے۔“[2]

وہ یہ بھی کہتے تھے:

﴿هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ﴾

[1] الصّٰفّٰت 37:16,17۔ [2] قٓ 50:3۔

''آؤ! ہم تمھیں ایک آدمی کا پتہ بتائیں جو یہ خبر دیتا ہے کہ جب تم ایک دم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر نئے سرے سے پیدا کر دیے جاؤ گے۔ (سمجھ میں نہیں آتا کہ) وہ اللہ پر جھوٹ گھڑ رہا ہے یا پاگل ہے۔''[1]

ان کے ایک کہنے والے نے یہ بھی کہا:

أَمَوْتٌ ثُمَّ بَعْثٌ ثُمَّ حَشْرٌ
حَدِيثُ خُرَافَةٍ يَا أُمَّ عَمْرٍو

''کیا موت آئے گی، پھر اٹھائے جائیں گے، پھر حشر ہو گا۔ اے ام عمرو! یہ تو خرافات ہیں۔''

اللہ نے ان باتوں کا کئی طرح جواب دیا ہے۔ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو دنیا میں ظالم اپنے ظلم کی سزا پائے بغیر اور مظلوم ظالم سے اپنا حق وصول کیے بغیر گزر جاتا ہے، اسی طرح احسان کرنے والا نیکوکار اپنے احسان اور نیکی کا بدلہ پانے سے پہلے اور برائی کرنے والا بدکردار اپنی برائی وبدکرداری کی سزا پانے سے پہلے مر جاتا ہے۔ اب اگر موت کے بعد کوئی ایسا دن نہ ہو جس میں لوگوں کو زندہ کر کے ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیا جائے اور احسان کرنے والے نیکوکار کو انعام اور فاجر وبدکردار کو سزا دی جائے تو پھر دونوں طرح کے لوگ برابر ٹھہرے، دونوں میں کوئی فرق نہ ہوا بلکہ ظالم وبدکردار تو مظلوم اور محسن وپرہیزگار کے مقابلے میں خوش قسمت ٹھہرا (نعوذ باللہ من ذلک) حالانکہ یہ بات قطعاً نامعقول ہے، عدل وانصاف سے اسے کوئی واسطہ نہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ اپنی خلقت کا نظام ایسی اندھیر نگری اور ظلم وفساد والا بنائے رکھے گا۔ اسی لیے اس نے فرمایا:

﴿أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝﴾

''کیا ہم مسلمانوں (اپنے اطاعت شعاروں اور فرمانبرداروں) کو مجرموں جیسا ٹھہرائیں گے؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟''[2]

[1] سبا 34:7، 8. [2] القلم 68:35، 36.

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝ ﴾

''کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد مچانے والوں جیسا ٹھہرائیں گے؟ یا کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا قرار دیں گے؟''[1]

نیز فرمایا:

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ ﴾

''جن لوگوں نے برائیاں کمارکھی ہیں کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انھیں ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں جیسا ٹھہرائیں گے کہ ان سب کا جینا مرنا یکساں ہوگا؟ برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''[2]

جہاں تک عقلی استبعاد کا معاملہ ہے تو اللہ نے اس کی یوں تردید فرمائی:

﴿ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰهَا ۝ ﴾

''کیا تمھاری پیدائش زیادہ سخت ہے یا آسمان کی؟''[3] نیز فرمایا:

﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾

''کیا انھیں یہ دکھائی نہیں دیتا کہ جس اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور انھیں پیدا کرکے نہیں تھکا وہ اس پر بھی قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کردے۔ کیوں نہیں! یقیناً وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''[4]

یہ بھی فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

''تم پہلی بار کی پیدائش کو تو جانتے ہی ہو پھر بات کیوں نہیں سمجھتے۔''[5]

① صٓ 28:38. ② الجاثیة 21:45. ③ النازعات 27:79. ④ الأحقاف 33:46. ⑤ الواقعة 56:26.

اور بتایا کہ دیکھو:

﴿كَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ نُّعِيۡدُهٗ ؕ وَعۡدًا عَلَيۡنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيۡنَ ○﴾

''ہم نے جس طرح پہلی بار شروع میں پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پلٹا کر بھی پیدا کریں گے۔ ہمارے ذمے یہ وعدہ ہے اور ہم اسے کر کے رہیں گے۔''[1]

اللہ نے یہ بھی یاد دلایا کہ یہ بات تمھارے عام مشاہدے میں ہے کہ کسی کام کو دوبارہ کرنا پہلی بار سے زیادہ سہل ہوتا ہے۔ اور پوچھا:

﴿اَفَعَيِيۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ ؕ بَلۡ هُمۡ فِىۡ لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ○﴾

''(اس آسمان وزمین، درخت اور پودوں اور ساری کائنات کو) پہلی بار پیدا کر کے کیا ہم تھک گئے ہیں؟'' (کہ دوبارہ پیدا نہیں کر سکتے) بلکہ (حقیقت صرف اتنی ہے کہ) وہ نئی پیدائش کے سلسلے میں التباس کا شکار ہیں۔''[2]

جہاں تک دوسری بات، یعنی نبی ﷺ کی رسالت کا معاملہ ہے تو اگرچہ قریش نبی ﷺ کو انتہائی سچا، امانت دار، نیکوکار اور پرہیزگار تسلیم کرتے تھے مگر پھر بھی ان کے کچھ شبہات تھے جن کی بنا پر وہ آپ ﷺ کی نبوت ورسالت تسلیم نہیں کر رہے تھے۔

ان کا ایک بہت بڑا گمان یہ تھا کہ وہ نبوت ورسالت کے مرتبے اور مقام کو اس سے کہیں بڑا اور اونچا سمجھتے تھے کہ وہ کسی انسان کو دیا جائے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ انسان رسول نہیں ہوسکتا اور نہ رسول انسان ہوسکتا ہے، اس لیے جب نبی ﷺ نے اپنی نبوت ورسالت کا اعلان کیا اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی تو مشرکین کو حیرت وتعجب ہوا۔ انھوں نے کہا:

﴿مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ يَاۡكُلُ الطَّعَامَ وَيَمۡشِىۡ فِى الۡاَسۡوَاقِ ؕ﴾

''یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔''[3]

① الأنبیآء 104:21. ② ق 15:50. ③ الفرقان 7:25.

اللہ تعالیٰ نے ان کی خام خیالی کا مزید نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا:

﴿بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝﴾

''انھیں تعجب ہوا کہ ان کے پاس خود انھی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا، چنانچہ ان کافروں نے کہا: یہ تو عجیب چیز ہے۔''[1]

انھوں نے یہ بھی کہا: ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ﴾

''اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نہیں اتاری ہے۔''[2]

اللہ نے ان کے اس عقیدے کو باطل ٹھہرایا اور اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ﴾

''کہہ دو، وہ کتاب کس نے اتاری جسے موسیٰ لے کر آئے تھے۔ اور جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت تھی۔''[3]

اسی طرح اللہ نے اُنھیں دوسرے انبیاء کے واقعات سناتے ہوئے بتلایا کہ ان کی قوموں نے بھی ان کی رسالت کا انکار کرتے ہوئے یہی کہا تھا:

﴿اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ﴾ ''کہ تم لوگ بھی تو ہمارے ہی جیسے بشر ہو۔''[4]

اور اس کے جواب میں پیغمبروں نے یہی کہا:

﴿اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ﴾

''جی ہاں! ہم بھی تمھارے جیسے بشر ہی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کر دیتا ہے۔''[5]

مطلب یہ کہ جتنے انبیاء اور رسول گزرے ہیں وہ سب بشر ہی تھے اور اگر بشر کے بجائے فرشتے کو رسول بنا دیا جاتا تو رسالت کا مقصد ہی پورا نہ ہوتا کیونکہ انسان فرشتوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ مشرکین کا شبہ بھی جوں کا توں رہتا۔

① قٓ 2:50. ② الأنعام 91:6. ③ الأنعام 91:6. ④ إبراهيم 10:14. ⑤ إبراهيم 11:14.

کیوں؟ اس لیے:

﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○﴾

"اور اگر ہم فرشتے کو رسول بناتے تو بھی ہم اسے انسان ہی بناتے۔ اور جو شبہ (اب) کرتے ہیں، اسی شبہے میں انھیں پھر ڈال دیتے۔"[1]

لہٰذا جب رسالت کا مقصد حاصل ہو، نہ لوگوں کا شبہ دور ہو تو فرشتے کو رسول بنانے کا کیا فائدہ؟

اب چونکہ مشرکین تسلیم کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ علیہم السلام پیغمبر تھے اور بشر بھی تھے، اس لیے انھیں اس شبہے پر جمنے اور اڑنے کی گنجائش نہ مل سکی، لہٰذا انھوں نے ایک دوسرا شبہ ظاہر کیا۔ کہنے لگے:

"کیا اللہ کو اپنی پیغمبری کے لیے یہی یتیم ولاچار انسان ملا تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قریش اور ثقیف کے بڑے بڑے لوگوں کو تو چھوڑ دے اور اس مسکین کو اپنا پیغمبر بنا لے؟"

﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○﴾

"یہ قرآن (مکہ اور طائف کی) دونوں آبادیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا؟"[2]

اللہ تعالیٰ نے اس کا بڑا مختصر جواب دیا۔ فرمایا:

﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ﴾ "کیا تمھارے رب کی رحمت یہ لوگ تقسیم کریں گے؟"[3]

یعنی وحی، قرآن، نبوت اور رسالت، سب کی سب اللہ کی رحمت ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ اپنی رحمت کیسے تقسیم کرے۔ کس کو دے اور کس کو نہ دے، چنانچہ فرمایا:

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾

[1] الأنعام 9:6. [2] الزخرف 31:43. [3] الزخرف 32:43.

”اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے (کس کو دے)۔“[1]

چونکہ اس جواب کے آگے ان کا کوئی عذر چل نہیں سکتا تھا، اس لیے انھوں نے ایک اور شبہ یہ پیش کیا:

”ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص دنیا کے بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کا ایلچی ہوتا ہے، اس کے لیے بادشاہ کی طرف سے جاہ وحشمت کے تمام لوازم، یعنی خدم وحشم، مال و جاگیر اور جاہ وجلال کے تمام وسائل فراہم کیے جاتے ہیں۔ وہ جب چلتا ہے تو اس کے جلو میں اردلی، پاسبان اور بڑے بڑے معزز لوگ ہوتے ہیں، پھر کیا بات ہے کہ محمد اللہ کا ایلچی ہوتے ہوئے لقمۂ زندگی کے لیے بازاروں میں دھکے کھاتا پھرتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے ان کی بات نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝﴾

”آخر اس کے اوپر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا جو اس کے ساتھ ڈراوے کا کام کرتا، یا اس کی جانب کوئی خزانہ کیوں نہ اتار دیا گیا، یا اس کے پاس کوئی ایسا باغ کیوں نہ ہوا جس سے وہ کھاتا رہتا، چنانچہ ان ظالموں نے کہا کہ تم لوگ محض ایک ایسے آدمی کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔“[2]

یہ تھا مشرکین کا اعتراض لیکن معلوم ہے کہ نبی ﷺ چھوٹے، بڑے، کمزور، طاقتور، غریب، مالدار، نیچے، اونچے، غلام، آزاد، ہر طرح کے لوگوں کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اب اگر آپ جاہ وجلال کے ساتھ، خدم وحشم اور بڑے بڑے لوگوں کے جلو میں چلتے پھرتے تو آخر کمزور اور چھوٹے لوگ آپ تک کیسے پہنچ سکتے اور آپ سے کیسے فائدہ اٹھا سکتے تھے جبکہ اکثریت انھی کی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نبوت ورسالت بے فائدہ

[1] الأنعام 124:6. [2] الفرقان 8,7:25.

ہو کر رہ جاتی ہے، اس لیے مشرکین کے اس اعتراض کا صرف ایک ہی لفظ میں جواب دیا گیا: ''محمد ﷺ رسول ہیں۔''

یعنی تمھارے اعتراض کا صرف اتنا ہی جواب کافی ہے کہ وہ رسول ہیں کیونکہ تم نے ان کے لیے جاہ وحشمت اور مال ودولت کا جو مطالبہ کیا ہے اس کے ہوتے ہوئے عام لوگوں میں رسالت کی تبلیغ ہو ہی نہیں سکتی، جبکہ عام لوگ ہی رسالت کا اصل مقصود ہیں۔

اس شبہے کا جواب پا کر اُنھوں نے ایک اور پہلو بدلا اور معجزات اور نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے جس کا مقصد محض یہ تھا کہ وہ آپ کو نبی نہ ماننے کی اپنی ضد پر قائم رہیں اور آپ کو مجبور اور بے بس کر دیں۔ اس معاملے میں مشرکین اور نبی ﷺ کے درمیان جو بات چیت ہوئی، اس کا کچھ حصہ ہم آگے چل کر ان شاء اللہ ذکر کریں گے۔

اب رہ جاتا ہے پہلا معاملہ، یعنی توحید کا، جو سارے اختلافات کی اصل بنیاد تھی تو اس کی شکل یہ تھی کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات اور اکثر صفات و افعال میں ایک مانتے تھے۔ وہ کہتے تھے:

''صرف اللہ ہی خالق ہے۔ جس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ساری چیزیں پیدا کی ہیں۔ وہی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور صرف وہی مالک بھی ہے۔ اسی کے ہاتھ میں آسمان وزمین اور ان کے بیچ کی ساری چیزوں کی ملکیت ہے۔ صرف وہی رازق ہے جو انسان، حیوان، چوپائے، درندے، پرندے، غرض ہر زندہ چیز کو روزی دیتا ہے۔ صرف وہی مُدَبِّر ہے جو آسمان اور زمین تک کا سارا نظام چلاتا ہے اور چھوٹی بڑی ہر چیز یہاں تک کہ چیونٹی اور ذرے تک کے معاملات کا انتظام کرتا ہے۔ صرف وہی آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے ان سب کا رب ہے۔ وہی عرشِ عظیم کا رب ہے اور ہر چیز کا رب ہے۔ اسی نے سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے، جن، انسان اور فرشتے سب کو اپنے تابعِ فرمان کر رکھا ہے اور سب کے سب اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ وہ جس کو چاہے پناہ

دے اُسے کوئی پکڑ نہیں سکتا اور جس کو چاہے پکڑ لے اُسے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔
وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو حکم چاہے لگاتا ہے۔ نہ
کوئی اس کا حکم روک سکتا ہے، نہ اس کا فیصلہ بدل سکتا ہے۔"

یہ ساری باتیں مشرکین تسلیم کرتے تھے اور ان سب میں وہ اللہ کو ایک، اکیلا اور یکتا مانتے تھے۔ وہ اللہ کی ذات اور مذکورہ صفات و افعال میں کسی کو شریک نہیں مانتے تھے، البتہ ان سب باتوں میں اللہ کو ایک ماننے کے بعد وہ کہتے تھے:

"اللہ نے اپنے بعض مقرب اور مقبول بندوں، مثلاً: پیغمبروں اور نبیوں کو، اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کو، اچھے اور نیکو کار لوگوں کو اس دنیا کے بعض کاموں میں کچھ تصرُّف کرنے کا اختیار دے دیا ہے اور وہ اللہ کے دیے ہوئے اس اختیار کی بنا پر تصرف کرتے ہیں، مثلاً: اولاد دے دیتے ہیں، مصیبت دور کر دیتے ہیں، بیمار کو شفا دے دیتے ہیں اور بعض دیگر ضرورتیں پوری کر دیتے ہیں اور اللہ نے انھیں یہ اختیار اس لیے دیا ہے کہ وہ اللہ کے مُقرَّب ہیں اور اللہ کے نزدیک ان کا خاص مرتبہ و مقام ہے اور چونکہ اللہ نے ان کو یہ تصرف واختیار دے رکھا ہے، اس لیے وہ بندوں کی ضرورتیں غیبی طریقے سے پوری کر دیتے ہیں، چنانچہ بعض مصیبتیں دور کر دیتے ہیں، بعض بلائیں ٹال دیتے ہیں اور جس سے خوش ہو جاتے ہیں، اُسے اللہ کا مقرب بنا دیتے ہیں اور اللہ سے اس کی سِفارش کر دیتے ہیں۔"

مشرکین نے اپنے ان فاسد خیالات کی بنا پر ان انبیائے عِظام، اولیائے کرام، بزرگانِ دین اور نیکو کار لوگوں کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنایا اور ایسے ایسے اعمال ایجاد کیے، جن کے ذریعے سے ان لوگوں کا قرب اور ان کی رضا مندی حاصل ہو سکے، چنانچہ وہ مشرکین پہلے ان اعمال کو بجا لاتے، پھر عاجزی کے ساتھ گڑگڑا کر ان ہستیوں سے فریاد کرتے اور کہتے:

"ہماری ضرورت پوری کردو، ہماری مصیبت ٹال دو اور ہمارا خطرہ دور کردو۔"

اب رہا یہ سوال کہ وہ کیا اعمال تھے جنھیں مشرکین نے ان ہستیوں کی رضامندی اور تقرب کے لیے ایجاد کیا تھا تو وہ اعمال یہ تھے کہ انھوں نے ان انبیائے کرام، اولیاء اور بزرگانِ دین کے نام سے بعض مخصوص جگہوں پر آستانے بنا کر وہاں ان کی اصلی یا خیالی تصویریں یا مورتیاں سجا رکھی تھیں اور کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ ان کے خیال میں بعض اولیائے کرام یا بزرگان دین کی قبریں مل گئیں تو مورتی تراشنے کے بجائے انھی قبروں پر آستانے بنا دیے۔[1]

اس کے بعد یہ لوگ ان آستانوں پر جاتے اور مورتیوں یا قبروں کو چھو کر ان سے برکت حاصل کرتے، ان کے گرد چکر لگاتے، تعظیم کے طور پر ان کے سامنے کھڑے ہوتے نذر نیاز پیش کرتے، چڑھاوے چڑھاتے اور ان طریقوں سے ان کی قربت اور ان کا فضل چاہتے۔ نیز نذر نیاز اور چڑھاوے کے طور پر یہ لوگ اپنی کوئی بھی چیز پیش کر دیتے تھے۔ کھیتی سے حاصل ہونے والے غلے، کھانے پینے کی چیزیں، جانور، چوپائے، سونا چاندی، مال واسباب غرض جس سے جو ہوسکتا تھا، نذر کر دیتا تھا۔

کھیتی، غلے اور کھانے پینے کی چیزیں، سونا چاندی اور مال اسباب چڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ ان آستانوں پر کچھ مجاور اور درباری ہوا کرتے تھے۔ مشرکین یہ چیزیں ان مجاوروں کو پیش کرتے اور وہ مجاور انھیں قبروں اور مورتیوں پر چڑھا دیتے تھے۔ عام طور پر ان کے بغیر براہ راست کوئی چیز نہیں چڑھائی جاتی تھی۔[2] البتہ جانوروں اور چوپایوں کو چڑھانے کا طریقہ علیحدہ تھا اور اس کی بھی کئی شکلیں تھیں، چنانچہ وہ کبھی ایسا کرتے کہ ان اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کی رضامندی کے لیے جانور کو ان کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے۔ وہ جہاں چاہتا چرتا اور گھومتا پھرتا، کوئی اسے کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچاتا بلکہ اُسے تقدس کی نظر سے دیکھا جاتا اور کبھی ایسا کرتے کہ جانور کو ان ولیوں اور بزرگوں کے آستانے پر لے جا کر ذبح کر دیتے اور کبھی ایسا کرتے کہ آستانے کے بجائے گھر ہی پر ذبح کر لیتے لیکن کسی ولی یا

[1] دیکھیے سیرت ابن ہشام: 83/1. [2] الأنعام، آیت: 136 اور اس کی تفسیر.

بزرگ کے نام پر ذبح کرتے۔[1]

ان کاموں کے علاوہ مشرکین کا ایک کام یہ بھی تھا کہ وہ سال میں ایک یا دو مرتبہ ان ولیوں اور بزرگوں کے آستانوں پر میلہ لگاتے۔ اس کے لیے خاص تاریخوں میں ہر طرف سے لوگ اکٹھے ہوتے اور اوپر ان کی جو حرکتیں ذکر کی گئیں ہیں وہ سب کرتے، یعنی آستانوں کو چھو کر برکت حاصل کرتے، ان کا طواف کرتے، نذر نیاز پیش کرتے، چڑھاوے چڑھاتے، جانور قربان کرتے وغیرہ۔ یہ سالانہ عرس یا میلہ ایسا اہم ہوتا کہ اس میں دور او رنزدیک سے چھوٹے بڑے ہر طرح کے لوگ حاضر ہو کر اپنی نیاز پیش کرتے اور اپنا مقصد حاصل ہونے کی امید رکھتے۔

یہ سارا کام مشرکین اس غرض سے کرتے تھے کہ ان اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کا تقرب اور ان کی خوشنودی حاصل کر کے اُنھیں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنائیں اور ان کا دامن پکڑ کر اللہ تک پہنچ جائیں کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ اولیائے کرام اور بزرگانِ دین انھیں اللہ کے قریب پہنچا دیں گے اور ان کی ضرورتوں کے لیے اللہ سے سفارش کر دیں گے، چنانچہ یہ لوگ ساری نذر نیاز پیش کرنے کے بعد ان ولیوں اور بزرگوں کو پکارتے:

''اے بابا! میرا فلاں کام بن جائے اور فلاں مصیبت ٹل جائے۔'' اور سمجھتے تھے کہ وہ ان کی باتیں سنتے ہیں اور جو مراد مانگی جائے وہ پوری کرتے ہیں، بگڑی بناتے ہیں، مصیبتیں ٹالتے ہیں اور ایسا یا تو خود اللہ کے دیے ہوئے تصرف واختیار کے ماتحت کر لیتے ہیں یا اللہ سے سفارش کر کے کرا لیتے ہیں۔[2]

تو یہ تھا مشرکین کا شرک اور یہ تھی غیر اللہ کے لیے ان کی عبادت اور یہ تھا اللہ کے ماسوا کو معبود بنانا اور شریک ٹھہرانا اور یہ تھے انبیائے عظام، اولیائے کرام، بزرگان دین اور

[1] سورۃ المائدۃ، آیت: 103,3، وسورۃ الأنعام، آیت: 121-138، وصحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ﴾، حدیث: 4623، وسیرت ابن ھشام: 90,89/1، والمنمّق، ص: 329,328. [2] تفسیر سورۃ یونس، آیت: 18، وسورۃ الزمر، آیت: 3، وسورۃ الرعد، آیت: 14، وسورۃ فاطر، آیت: 13، وسورۃ الأعراف، آیت: 194، وغیرہ۔

نیکوکار صالحین جن کو مشرکین نے معبود بنا رکھا تھا۔

اب نبیٔ کریم ﷺ جو توحید کی دعوت لے کر اٹھے اور اللہ کے سوا ہر معبود کو چھوڑنے کا مطالبہ کیا تو مشرکین پر یہ بات بہت گراں گزری اور انھیں یہ مطالبہ بہت بھاری اور غلط محسوس ہوا۔ انھوں نے کہا: ''یہ کوئی سازش ہے جو اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ اور ہے۔''

﴿ أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ○ وَانطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَىٰ آلِهَتِكُمْ ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ ○ مَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هَٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ ○ ﴾

''یہ کیا تک ہے کہ اس نے سارے معبودوں کی جگہ ایک معبود بنا ڈالا۔ یہ تو عجیب چیز ہے۔ اور ان کے بڑوں کا ایک گروہ اٹھا کہ چلو اور اپنے معبودوں پر ڈٹ جاؤ۔ یقیناً یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ ہم نے تو ایسی بات کسی اور ملت میں سنی ہی نہیں، ہو نہ ہو یہ گھڑی ہوئی بات ہے۔''[1]

اس کے بعد جب دعوت و تبلیغ کا کام مزید آگے بڑھا اور ادھر مشرکین بھی اپنے شرک کو بچانے، اسلام کی تبلیغ روکنے اور مسلمانوں کے دل و دماغ سے اسلام کا اثر دھونے کے لیے حجت و بحث کے میدان میں اتر پڑے تو ان پر مختلف پہلوؤں سے دلیل قائم کی گئی۔ ان سے پوچھا گیا کہ آخر تمھیں یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی کہ اللہ نے اپنے مقرب اور مقبول بندوں کو اس دنیا میں تصرف کی قوت دے رکھی ہے اور وہ ضرورتیں پوری کرنے اور مصیبتیں ٹالنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اس کی صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

1. یا تو تمھیں غیب معلوم ہو گیا ہو۔
2. یا پھر پچھلے انبیاء نے کوئی کتاب چھوڑی ہو اور اس میں تمھیں یہ بات لکھی ہوئی مل گئی ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ○ ﴾

''کیا ان کے پاس غیب ہے جسے وہ لکھتے ہیں۔''[2] اور فرمایا:

[1] صٓ 38:5-7. [2] القلم 68:47.

﴿ اِيۡتُوۡنِىۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَةٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ○﴾

''میرے پاس پہلے کی کوئی کتاب لاؤ، یا علمِ الٰہی کا کوئی بقیہ لاؤ، اگر تم لوگ سچے ہو۔''[1]

اور فرمایا:

﴿ قُلۡ هَلۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ عِلۡمٍ فَتُخۡرِجُوۡهُ لَـنَا ؕ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَخۡرُصُوۡنَ ○﴾

''(اے پیغمبر!) ان سے کہو کہ کیا تمھارے پاس کچھ علم ہے؟ اگر ہے تو ہمارے سامنے لاؤ، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ تم لوگ محض گمان کی پیروی کرتے ہو اور اِدھر اُدھر کے اٹکل پچو لگاتے ہو۔''[2]

چونکہ یہ بات مشرکین بھی تسلیم کرتے تھے کہ انھیں نہ تو غیب کا کوئی علم ہے اور نہ انبیاء کی کتابوں میں سے کسی کتاب میں انھیں یہ بات ملی ہے، اس لیے انھوں نے نہایت صفائی سے کہا: ﴿ بَلۡ نَـتَّبِعُ مَاۤ وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ﴾

''بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو جس بات پر پایا ہے، اسی کی پیروی کر رہے ہیں۔''[3]

اور یہ: ﴿ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ○﴾

''ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک امت (طریقے) پر پایا ہے اور ہم بھی اُنھی کی ڈگر پر چل رہے ہیں۔''[4]

اس جواب سے جب مشرکین کی جہالت اور بے بسی کھل گئی تو ان سے کہا گیا کہ دیکھو:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ○﴾

''تم لوگوں کو تو نہیں معلوم لیکن اللہ جانتا ہے۔''[5]

اس لیے اس کی بات سنو، وہ تمھارے ان شرکاء کی حقیقت بتلاتا ہے اور کہتا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمۡثَالُكُمۡ ﴾

① الأحقاف 4:46. ② الأنعام 148:6. ③ لقمان 21:31. ④ الزخرف 22:43. ⑤ النحل 74:16.

”بے شک اللہ کے ماسوا جن کو تم لوگ پکارتے ہو، وہ تمھارے جیسے بندے ہی ہیں۔“[1]

یعنی جو چیزیں اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں ان پر جس طرح تم کو قدرت حاصل نہیں، اسی طرح تمھارے ان شرکاء کو بھی ان پر قدرت حاصل نہیں۔ پس تم اور وہ، دونوں بے بس ہونے اور قدرت نہ رکھنے میں یکساں اور برابر ہو، اسی لیے اللہ نے ان کو چیلنج کیا:

﴿فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○﴾

”پھر اگر تم سچے ہو تو ذرا ان کو پکارو اور وہ تمھاری مراد پوری کر کے دکھا دیں۔“[2]

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا:

﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ○﴾

”تم لوگ اللہ کے ماسوا جن کو پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔“[3]

﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ○﴾

”اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار نہ سنیں گے اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو جواب نہ دے سکیں گے اور قیامت کے دن تمھارے اس شرک کا انکار کر دیں گے اور ایک خبر رکھنے والے جیسی خبر تمھیں کوئی اور نہیں دے سکتا۔“[4]

یعنی اللہ جانتا ہے اور ہر چیز کی خبر رکھتا ہے، لہٰذا اس نے جو یہ بات بتائی ہے تو یہی صحیح ہے، کوئی اس کے بجائے کچھ اور بتائے تو وہ غلط ہے، نیز فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○﴾

”اللہ کے ماسوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ وہ مردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے

[1] الأعراف 194:7. [2] الأعراف 194:7. [3] فاطر 13:35. [4] فاطر 14:35.

جائیں ے۔‘‘[1] اور فرمایا:

﴿ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ ﴾

’’کیا یہ ایسے لوگوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں اور نہ ان کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد آپ کر سکتے ہیں۔‘‘[2] اور فرمایا:

﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ○ ﴾

’’اور ان لوگوں نے اللہ کے ماسوا ایسے لوگوں کو معبود بنا رکھا ہے جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے گئے ہیں جو خود اپنے لیے بھی نفع اور نقصان کے مالک نہیں۔ نہ موت اور نہ زندگی اور نہ مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کا اختیار رکھتے ہیں۔‘‘[3]

جب اللہ نے ان شرکاء کی بے بسی اور لاچاری بیان کر ڈالی اور بتا دیا کہ مشرکین کی کسی بھی گمان کردہ چیز پر وہ کوئی قدرت نہیں رکھتے تو معاً اس کا نتیجہ بھی بتا دیا کہ ان کو اپنی ضرورت کے لیے پکارنا اور ان سے کوئی امید رکھنا بالکل باطل اور فضول ہے، اس کا قطعاً کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں چند نہایت دلچسپ مثالیں بھی بیان کیں۔

ایک جگہ فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ○ ﴾

’’اور یہ لوگ اللہ کے ماسوا جن کو پکارتے ہیں وہ ان کی پکار کا قطعاً کوئی جواب نہیں دے سکتے مگر جیسے کوئی شخص پانی کی طرف اپنی دونوں ہتھیلیاں پھیلا دے کہ وہ پانی

① النحل 21,20:16. ② الأعراف 192,191:7. ③ الفرقان 3:25.

اس کے منہ میں آ جائے، حالانکہ وہ منہ میں آ ہی نہیں سکتا۔ (پس اسی طرح) ان کافروں کی پکار سوائے بھٹکنے (صدا بصحرا) کے اور کچھ نہیں۔“[1]

یہ بات بیان کر کے مشرکین سے ذرا سوچنے کے لیے کہا گیا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور ان کے معبودوں نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا اور نہ وہ کچھ پیدا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں بلکہ وہ خود اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، اس لیے ان سے کہا گیا کہ تم نے تو اللہ تعالیٰ کو، جو خالق اور قادر ہے اور اپنے ان شرکاء کو جو مخلوق اور بالکل بے بس ہیں یکساں اور برابر کر دیا۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ تم اللہ کو بھی پوجتے ہو اور ان شرکاء کو بھی پوجتے ہو، اللہ کو بھی پکارتے ہو اور ان کو بھی پکارتے ہو۔ آخر عبادت اور پکار کے معاملے میں تم نے دونوں کو برابر کیسے کر دیا۔

﴿ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

”کیا جو پیدا کرتا ہے، وہ پیدا نہ کرنے والے کی طرح ہے؟ تم لوگ سمجھتے کیوں نہیں؟“[2]

جب یہ سوال ان کے سامنے رکھا گیا تو وہ بالکل بھونچکا رہ گئے۔ ان کی ساری حجت اور بحث جاتی رہی۔ وہ شرمندہ ہو کر چپ ہو رہے، پھر انھیں ایک غلط بات سجھائی دی۔ وہ کہنے لگے:

”دیکھو! ہمارے باپ دادا سارے انسانوں سے زیادہ عقل مند تھے۔ لوگوں میں ان کی عقل مندی کا شہرہ تھا اور دور دور تک لوگ اس بات کو تسلیم کرتے تھے اور ان سب لوگوں کا دین وہی تھا جو ہمارا ہے، لہٰذا کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ دین باطل اور گمراہی والا دین ہو۔ خود نبی ﷺ کے باپ دادا اور مسلمانوں کے باپ دادا بھی اسی دین پر تھے۔“

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ وہ لوگ ہدایت پر نہ تھے کیونکہ انھوں نے حق کا راستہ پہچانا نہ اس کو اختیار کیا جس کے نتیجے میں وہ گمراہ ہو گئے کیونکہ وہ کچھ سمجھتے نہ تھے۔ یہ مطلب بھی

[1] الرعد 14:13. [2] النحل 17:16.

اشاروں کنایوں میں بیان کر دیا جاتا تھا اور کبھی کبھی کھلم کھلا بھی کہہ دیا جاتا تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ○ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ○ ﴾

''انھوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ پایا تو خود بھی اُنھی کے نقشِ قدم پر دوڑے جا رہے ہیں۔''①

اسی کے ساتھ ایک بات یہ بھی چل رہی تھی کہ مشرکین، نبی ﷺ اور مسلمانوں کو اپنے خداؤں سے ڈرایا کرتے تھے، کہتے تھے:

''تم لوگ ہمارے معبودوں کو بے بس کہہ کر ان کی شان میں گستاخی کر رہے ہو، لہٰذا بہت جلد ان کا غضب تم پر نازل ہوگا اور وہ تمھیں بھسم کر دیں گے یا خبطی بنا کر رکھ دیں گے۔''

یہ دھمکی ٹھیک ویسی ہی تھی جیسی پچھلے لوگ اپنے نبیوں کو دیا کرتے تھے:

﴿ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ﴾

''ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تمھیں ہمارے بعض معبودوں کی بد دعا لگ گئی ہے۔''②

اس کے جواب میں مشرکین کو وہ حقیقت یاد دلائی گئی جسے وہ خود رات دن دیکھتے رہتے تھے کہ ان کے یہ معبود اپنی جگہ سے ہل سکتے ہیں نہ ذرا آگے پیچھے ہو سکتے ہیں۔ نہ خود اپنی کوئی تکلیف رفع کر سکتے ہیں تو بھلا یہ مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچائیں گے؟

﴿ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ○ ﴾

''کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے یہ چل سکتے ہیں، یا ہاتھ ہیں جن سے پکڑ سکتے ہیں، یا آنکھیں ہیں جن سے دیکھ سکتے ہیں، یا کان ہیں جن سے سن سکتے ہیں؟ اے نبی! کہہ دو کہ تم لوگ اپنے شرکاء کو پکارو، پھر میرے اوپر اپنا داؤ چلاؤ اور مجھے مہلت

① الصافات 70,69:37۔ ② هود 54:11۔

نہ دو۔“[1]

ایسے ہی ایک موقع پر ایک کھلی مثال بیان کی گئی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَآيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَ اِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝﴾

”لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے، غور سے سنو! اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کسی طرح ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، خواہ اس کے لیے سب کے سب جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو وہ چھڑا بھی نہیں سکتے۔ طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں!“[2] اور فرمایا گیا:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

”ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اللہ کے ماسوا کو اولیاء بنا لیا ہے، اس مکڑی جیسی ہے جس نے گھر بنایا اور یقیناً سب سے کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے۔“[3]

ان کے خداؤں کی اس بے بسی کو بعض مسلمانوں نے بھی بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا۔ کہا:

أَرَبٌّ يَبُولُ الثُّعْلُبَانُ بِرَأْسِهِ
لَقَدْ ذَلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَيْهِ الثَّعَالِبُ

”بھلا ایسا بھی پروردگار (ہو سکتا) ہے کہ جس کے سر پر لومڑی پیشاب کرے؟ یقیناً جس کے سر پر لومڑیاں پیشاب کریں وہ ذلیل ہے۔“

لیکن جب نوبت اس کھلم کھلا نقد وتبصرے تک پہنچ گئی تو مشرکین بھڑک اٹھے۔ انھوں نے

① الأعراف 195:7. ② الحج 73:22. ③ العنكبوت 41:29.

مسلمانوں کو بھی گالیاں دیں اور ان کے پروردگار کو بھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ٹوکا کہ دوبارہ اس طرح کی بات نہ کہیں۔ فرمایا:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾

''اور وہ (مشرکین) اللہ کے ماسوا جن کو پکارتے ہیں تم انھیں برا بھلا نہ کہو، ورنہ وہ (مشرکین) بھی دشمنی کے جوش اور نادانی میں اللہ کو گالیاں دیں گے۔''[1]

بہرحال جب بحث وحجت سے کام بنتا نظر نہ آیا تو مشرکین نے طے کیا کہ اسلام کی دعوت کو بزورِ طاقت کچل دیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک دیں، چنانچہ بڑے لوگوں اور قبائل کے سرداروں نے اپنے اپنے قبیلے کے مسلمانوں کو اذیتیں دینی شروع کیں اور ان کا ایک وفد ابوطالب کے پاس گیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اسلام کی تبلیغ سے منع کریں۔

مسلمانوں کو تعذیب

اس منصوبے کے تحت مسلمانوں کو ایسی ایسی تکلیفیں دی گئیں کہ ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل شق ہو جاتا ہے، مثلاً:

✽ حضرت بلال بن رَباح رضی اللہ عنہ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ امیہ ان کے گلے میں رسی ڈال کر بچوں کے حوالے کر دیتا اور وہ انھیں کھینچتے پھرتے۔ اس دوران بلال رضی اللہ عنہ ''اَحد اَحد'' کہتے رہتے۔ اس کے علاوہ امیہ ان کو دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں جلتی ریت یا پتھر پر ڈال کر سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا پھر کہتا: ''یا تو محمد کے ساتھ کفر کر اور لات وعزیٰ کی پوجا کر یا اسی حالت میں پڑا پڑا مر جا۔'' لیکن بلال برابر ''اَحد اَحد'' کہتے رہے۔

ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گزرے۔ حضرت بلال کو اسی طرح کی اذیت دی جا رہی تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں اس مصیبت میں دیکھا تو خرید کر اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔[2]

[1] الأنعام 6:108. [2] سيرت ابن هشام: 1/317،318، وتلقيح ابن جوزي، ص:61، وابن كثير، تفسير سورة النحل، آيت: 106.

* عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا جاتا کہ ان کی عقل جاتی رہتی اور اُن کی سمجھ میں کچھ نہ آتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔[1]

* ابو فُکَیہہ رضی اللہ عنہ جن کا نام افلح تھا اور قبیلہ اَزد کے رہنے والے اور قبیلہ بنوعبدالدار کے غلام تھے، ان کے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں پہنا کر دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں لایا جاتا اور کپڑے اتار کر تپتی ریت یا پتھر پر لٹا دیا جاتا اور اوپر اتنا بھاری پتھر رکھ دیا جاتا کہ وہ ہل بھی نہ سکیں اور اتنی دیر تک اسی اذیت میں رکھا جاتا کہ ان کی عقل کھو جاتی۔ اُنھیں مسلسل اسی طرح اذیتیں دی جاتی رہیں، یہاں تک کہ دوسری ہجرت حبشہ میں وہ بھی ہجرت کر گئے۔ ایک بار اسی طرح ان کے دونوں پاؤں کو رسی سے باندھ کر انھیں گھسیٹتے ہوئے لے جایا گیا اور جلتی زمین پر ڈال کر اس طرح ان کا گلا گھونٹ دیا گیا یوں لگتا تھا جیسے مر گئے ہیں۔ اسی دوران میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے تو انھیں بھی خرید کر اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔[2]

* مشہور صحابی خباب بن اَرَتّ رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت میں قید ہو کر آئے تھے۔ اُنھیں بنوخزاعہ کی ایک عورت ام انمار بنت سِباع نے خرید لیا تھا۔ یہ لوہار تھے۔ جب مسلمان ہوئے تو ان کی مالکن لوہے کا جلتا ہوا ٹکڑا لے کر آتی اور ان کی پیٹھ پر ڈال دیتی تاکہ محمد ﷺ کے ساتھ کفر کریں مگر اس سے ان کا ایمان اور زیادہ بڑھ جاتا۔ انھیں مشرکین بھی سزائیں دیتے۔ کبھی گردن مروڑتے، کبھی بال نوچتے اور کئی بار تو جلتے ہوئے کوئلوں پر ڈال دیا جنھیں ان کی پیٹھ کی چربی ہی نے بجھایا۔[3]

* حضرت زَنیرہ رضی اللہ عنہا ایک رومی لونڈی تھیں۔ وہ مسلمان ہوئیں تو اُنھیں اللہ کی راہ میں اس قدر تکلیفیں دی گئیں کہ وہ اندھی ہو گئیں۔ اس پر ان سے کہا گیا کہ تمھیں لات اور عزیٰ کی مار پڑ گئی ہے۔ انھوں نے کہا نہیں واللہ! انھوں نے میرا کچھ نہیں بگاڑا۔ یہ تو اللہ کی

[1] طبقات ابن سعد: 48/3. [2] أسد الغابة: 248/5، والإصابة: 125/8,7 وغيره. [3] أسد الغابة: 592,591/1، وتلقيح، ص: 60 وغيره.

طرف سے ہے اور اگر وہ چاہے تو اسے دور کر سکتا ہے۔ دوسرے دن صبح ہوئی تو واقعی اللہ نے ان کی بصارت بحال کر دی تھی۔ اس پر مشرکین کہنے لگے: ''یہ تو محمد کا ایک جادو ہے۔''[1]

(6) ❋ ام عُبیس رضی اللہ عنہا بنو زہرہ کی ایک لونڈی تھیں۔ ان کا مالک اسود بن عبد یغوث اُنھیں ستایا کرتا تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا کٹر دشمن تھا اور آپ کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔[2]

(7) ❋ بنو عدی کے عمرو بن مؤمل کی ایک لونڈی مسلمان ہوئیں تو انھیں عمر بن خطاب ستایا کرتے تھے۔ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، چنانچہ انھیں اتنا مارتے کہ تھک جاتے، پھر چھوڑ کر کہتے کہ میں نے کسی مروت کی بنا پر نہیں چھوڑا بلکہ مارتے مارتے اکتا گیا ہوں، اس لیے چھوڑ دیا ہے۔ وہ کہتیں: ''تیرا رب بھی تیرے ساتھ ایسا ہی کرے گا۔''[3]

(8) ❋ اور جو جو لونڈیاں مسلمان ہوئیں اور اُنھیں ستایا گیا ان میں نہدیہ اور ان کی صاحبزادی رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں بنو عبد الدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں۔[4]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال، عامر بن فہیرہ اور ابوفکیہہ رضی اللہ عنہم کی طرح ان سب لونڈیوں کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر ان کے والد ابو قحافہ نے بطور عتاب کہا، میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور گردنیں آزاد کرا رہے ہو، اگر طاقتور مردوں کو آزاد کراتے تو وہ تمھارا بچاؤ بھی کر سکتے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں اللہ کی رضا چاہتا ہوں۔''

اس پر اللہ نے ان کی تعریف اور ان کے دشمنوں کی مذمت میں آیت اُتاری، فرمایا:

﴿فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ○ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ○ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ○ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ○ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ○ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ○ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ○ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ○﴾

یعنی ''میں نے تم کو ڈرا دیا ہے ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے جس میں وہی بدبخت داخل

[1] طبقات ابن سعد: 256/8، وسیرت ابن ہشام: 318/1. [2] الإصابة: 434/8. [3] سیرت ابن ہشام: 319/1، وطبقات ابن سعد: 256/8. [4] سیرت ابن ہشام: 319,318/1.

ہو گا، جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ (یعنی امیہ بن خلف اور اس جیسے کام کرنے والے دوسرے لوگ) اور اس سے وہ پرہیزگار بچالیا جائے گا جو اپنا مال پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے۔ اور اس پر کسی کا احسان نہیں ہے کہ اس کا بدلہ دیا جارہا ہو بلکہ اس کا مقصد محض اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنا ہے اور وہ یقیناً راضی ہو جائے گا۔''①

اور یہ ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ ان سے بھی راضی ہو اور انھوں نے جن غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد کرایا ان سے بھی اور تمام صحابۂ کرام سے بھی۔②

✱ ان کے علاوہ حضرت عمار بن یاسر اور ان کے والدین رضی اللہ عنہم کو بھی سزائیں دی گئیں۔ یہ لوگ بنومخزوم کے حلیف تھے جن کا ایک سردار ابوجہل تھا، چنانچہ اس کی سرکردگی میں قبیلے والے ان لوگوں کو سخت دھوپ کے وقت ابطح میں لے جاتے اور اس کی گرمی میں تپاتے۔ ایسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے تو فرماتے:

''آلِ یاسر! صبر کرنا، تمھارا ٹھکانا جنت ہے۔ اے اللہ! آل یاسر کو بخش دے۔''

اسی طرح عذاب سہتے سہتے یاسر اس دنیا سے چل بسے۔ وہ قبیلۂ مَذْحِج کی ایک شاخ عنس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کا نام عامر اور دادا کا نام مالک تھا۔

✱ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام سُمَیَّہ بنت خیاط تھا ...... رضی اللہ عنہا...... وہ ابوحذیفہ مخزومی کی لونڈی تھیں، بہت بوڑھی اور کمزور ہو چکی تھیں۔ انھیں کم بخت ابوجہل نے شرمگاہ میں نیزہ مارا جس سے وہ شہید ہو گئیں اور یہ اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ ہیں۔

✱ باقی رہے عمار رضی اللہ عنہ تو عذاب ان کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ مشرکین سخت گرمی کے دنوں میں کبھی انھیں لوہے کی زرہ پہنا دیتے، کبھی سینے پر سرخ بھاری پتھر رکھ دیتے، کبھی پانی میں ڈبو دیتے، یہاں تک کہ ایک روز انھوں نے مجبوراً ان کے مطلب کی بات کہہ دی

① اللیل 92:14-21. ② سیرت ابن ہشام: 1/318,319، وطبقات ابن سعد: 8/256، کتب تفسیر، تفسیر آیات مذکورہ.

لیکن دل ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○﴾

"جس شخص کو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن تھا لیکن اس کے سوا جو کوئی اللہ کے ساتھ کفر کرے، یعنی کھلے دل کے ساتھ کفر قبول کر لے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انھی کے لیے زبردست عذاب ہے۔"[1]

* اللہ کی راہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی اذیتیں دی گئیں۔ وہ بڑے ناز و نعمت میں پلے بڑھے تھے۔ اسلام لائے تو ان کی ماں نے ان کا کھانا پانی بند کر دیا اور گھر سے نکال دیا، چنانچہ سانپ کی کینچلی کی طرح ان کی چمڑی ادھڑ گئی۔[2]

* حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ کو اس قدر تکلیف دی گئی کہ وہ اپنی عقل کھو بیٹھے۔ انھیں پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ کیا کہہ رہے ہیں۔[3]

* حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو طرح طرح سے ستایا گیا۔ ان کا چچا ان کو کھجور کی چٹائی میں لپیٹ کر نیچے سے دھونی دیتا تھا۔[4]

* حضرت ابوبکر اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما کو بھی ستایا گیا۔ نوفل بن خویلد نے اور کہا جاتا ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ کے بھائی عثمان بن عبیداللہ نے دونوں کو پکڑ کر ایک ہی رسی میں باندھ دیا۔ تاکہ نماز پڑھنے اور دین پر عمل پیرا ہونے سے باز رہیں مگر ان دونوں حضرات نے اس کی بات نہ مانی، پھر اس نے حیرت سے دیکھا کہ دونوں کھلے ہوئے ہیں اور نماز پڑھ رہے ہیں۔ چونکہ دونوں ایک ساتھ رسی میں باندھے گئے تھے، اس لیے انھیں قرین کہا جاتا ہے۔ قرین کے معنی ہیں "ایک ساتھ ملائے گئے۔"[5]

[1] النحل: 106:16، وسیرت ابن ھشام: 320,319/1، وطبقات ابن سعد: 249,248/1، وتفسیر ابن کثیر 106:16، 524/4 آیت مذکورہ، الدرالمنثور، سورۃ النحل، تفسیر آیت: 106، 249/4۔ [2] أسد الغابہ: 406/4، وتلقیح، ص: 60۔ [3] طبقات ابن سعد: 248/3۔ [4] رحمۃ للعالمین: 87/1۔ [5] أسد الغابۃ: 468/2۔

ابوجہل کا حال یہ تھا کہ وہ جب کسی بااثر اور بچاؤ کی طاقت رکھنے والے آدمی کے اسلام لانے کی خبر سنتا تو اسے ڈانٹتا پھٹکارتا اور دھمکیاں دیتا کہ مال وعزت کو سخت نقصان پہنچاؤں گا اور اگر کوئی کمزور آدمی اسلام لاتا تو اسے خود بھی مارتا اور دوسروں کو بھی شہ دیتا۔ غرض جس کسی کے بھی مسلمان ہونے کا پتہ چلتا، مشرکین اس کے درپے آزار ہو جاتے اور جہاں تک بس چلتا ستاتے اور تکلیفیں دیتے تھے۔[1]

یہ زیادتیاں تو کمزور اور عام مسلمانوں کے ساتھ ہو رہی تھیں لیکن بڑے اور معزز لوگوں میں سے کوئی مسلمان ہوتا تو مشرکین کو بھی ہاتھ اٹھانے سے پہلے بار بار سوچنا پڑتا، چنانچہ ایسے مسلمان سے اس کے ہم پلہ لوگ ہی حد درجہ احتیاط اور سوچ بچار کے بعد ٹکرانے کی جرأت کرتے۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مشرکین کا رویہ جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا رعب اور شرف و وقار دے رکھا تھا کہ لوگ زیادتی کی جرأت نہ کر پاتے تھے۔ مزید برآں آپ کو ابو طالب کی حمایت وحفاظت بھی حاصل تھی۔ وہ قریش کے ایک عظیم سردار تھے۔ اُن کی بات مانی جاتی تھی اور ان کی ذمے داری کا احترام کیا جاتا تھا۔ اسے توڑنے کی جرأت کسی میں نہ تھی۔ یہ بنوعبد مناف کے چوٹی کے انسان تھے اور قریش بلکہ سارا عرب اس خاندان کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتا تھا، اس لیے آپ کے اس تعلق سے مشرکین مجبور تھے کہ کوئی پر امن قدم اٹھائیں، چنانچہ انھوں نے ابو طالب سے گفت وشنید کا راستہ اپنایا مگر کسی قدر سختی اور چیلنج کے ساتھ!

قریش اور ابو طالب کے درمیان گفتگو قریش کے اشراف ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے کہا:

”آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ ہمارے دین پر عیب لگاتا ہے، ہمیں بیوقوف ٹھہراتا ہے اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ کہتا ہے، لہٰذا یا تو آپ اسے

[1] سیرت ابن ہشام :1/320.

(1) ابی بن خلف کو نبی نے قتل کیا (2) طرف اس کے اس کو کیا اور کسی کو نہیں کیا (3) احد کے میدان میں قتل کیا تھا

روکیں یا ہمارے اور اس کے بیچ سے ہٹ جائیں کیونکہ آپ بھی تو ہماری ہی طرح اس سے الگ دین پر ہیں، ہم اس سے نمٹ لیں گے۔"

جواب میں ابو طالب نے نرمی سے بات کی اور انھیں خوش اسلوبی سے واپس کر دیا، چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ اللہ کے دین پر کھلم کھلا کار بند رہ کر اس کی تبلیغ کرتے رہے۔[1]

ابو طالب کو قریش کی دھمکی اور چیلنج مگر جب قریش نے دیکھا کہ نبی ﷺ اپنے کام اور اپنی تبلیغ میں لگے ہوئے ہیں تو وہ مزید صبر نہ کر سکے۔ انھوں نے باہم بڑی چہ میگوئیاں اور شکوے کیے، پھر ابو طالب کے پاس جا کر عرض گزار ہوئے:

"ابو طالب! آپ ہم میں عمر رسیدہ ہیں اور شرف ومنزلت رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ سے عرض کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو منع کریں مگر آپ نے منع نہیں کیا۔ بخدا ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے باپ دادا کو برا بھلا کہا جائے۔ ہمیں بیوقوف قرار دیا جائے اور ہمارے معبودوں پر عیب لگائے جائیں، لہٰذا آپ یا تو اسے منع کریں یا پھر ہم آپ کے اور اس کے مقابلے کے لیے نکل آئیں گے اور اس وقت تک نہیں ٹلیں گے جب تک کہ ایک فریق کا خاتمہ نہ ہو جائے۔"

یہ کہہ کر وہ لوگ واپس چلے گئے۔ ابو طالب کو یہ دھمکی اور چیلنج بڑا بھاری محسوس ہوا۔ انھوں نے آپ ﷺ کو بلا کر ان کی بات سنائی اور کہا:

"اب مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو اور میری طاقت سے زیادہ مجھ پر بوجھ نہ ڈالو۔"

جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ کمزوری دیکھی تو فرمایا:

«يَا عَمِّ! وَاللّٰهِ! لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلٰى أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ، حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ، مَا تَرَكْتُهُ»

[1] سیرت ابن ھشام: 265/1.

''چچا جان! واللہ! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تب بھی چھوڑ نہیں سکتا، یہاں تک کہ یا تو اللہ اس (دین) کو غالب کر دے یا میں اسی راہ میں ہلاک ہو جاؤں۔''

اس کے بعد آپ ﷺ کے آنسو نکل آئے۔ یہ دیکھ کر ابو طالب کی محبت اور قوت ارادی پلٹ آئی۔ انھوں نے کہا:

''بھتیجے! جاؤ جو کہنا ہے کہو، واللہ! میں تمھیں کبھی کسی بھی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتا۔''[1]

قریش کی عجیب وغریب تجویز اور ابو طالب کا دلچسپ جواب قریش نے دیکھا کہ ان کی دھمکی کارگر نہیں ہوئی کیونکہ رسول اللہ ﷺ اپنا کام کیے جا رہے ہیں اور ابو طالب ان کی مدد پر ڈٹے ہوئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنے بھتیجے کی مدد کے مقابلے میں قریش کی عداوت اور جدائی منظور ہے اور وہ لڑنے بھڑنے کے لیے تیار ہیں، اس لیے قریش کو ذرا توقف وتأمل کرنا پڑا اور وہ دیر تک مشورہ کرتے رہے، آخر انھیں ایک عجیب وغریب تجویز سوجھی۔ قریش میں ایک شخص عمارہ بن ولید تھا، بڑا خوبصورت اور بانکا نوجوان اور جوانوں کا سردار۔ یہ لوگ اسے ساتھ لے کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہا:

''ابو طالب! اس نوجوان کو ہم سے لے لیجیے اور اسے اپنا لڑکا قرار دے لیجیے۔ آپ اس کی مدد بھی کیجیے اور دیت بھی لیجیے اور ہمیں اس کے بدلے اپنا بھتیجا دے دیجیے۔ جو آپ کے دین اور آپ کے باپ دادا کے دین کا مخالف ہے اور جس نے آپ کی قوم میں پھوٹ ڈال رکھی ہے اور ان کی عقلوں کو ماؤف قرار دے رکھا ہے۔ ہم اسے لے جا کر قتل کریں گے۔ بس یہ ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی کا معاملہ ہوا۔''

[1] سیرت ابن هشام :266,265/111، ودلائل النبوة للبيهقي : 188/2 ''اس روایت کو معروف سیرت نگار ابن ہشام اپنی کتاب ''السيرة النبوية'' میں ''ابن اسحاق'' صاحب مغازی کی سند سے لائے ہیں جس میں انقطاع ہے، چنانچہ محدث البانی ؒ نے اس روایت کو بایں الفاظ ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیے: ''السلسلة الضعيفة (909)، یہی روایت ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے جسے طبرانی اپنی کتاب ''المعجم الأوسط'' میں لائے ہیں، اس کی سند حسن ہے، البتہ اس کے الفاظ ابن اسحاق کی روایت سے مختلف ہیں، ◄◄

ابو طالب نے کہا:

''واللہ! تم لوگ انتہائی بُرا سودا کر رہے ہو۔ مجھے تم اپنا بیٹا اس لیے دے رہے ہو کہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں اور مجھ سے میرا بیٹا مانگ رہے ہو کہ تم اس کو قتل کرو۔ اللہ کی قسم! یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔'' ①

رسول اللہ ﷺ پر دست درازیاں

جب قریش ہرطرح ناکام اور مایوس ہو گئے، نہ ان کی دھمکی کام آئی، نہ سودے بازی تو انھوں نے خود رسول اللہ ﷺ پر دست درازی شروع کردی اور مسلمانوں پر جو سختیاں وہ پہلے سے کرتے آرہے تھے ان میں مزید اضافہ کر دیا۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ حشمت وعزت اور اکرام واحترام کا بلند مقام رکھتے تھے، اس لیے آپ پر دست درازی کی جرأت صرف بڑے افراد اور سرداروں نے کی، چھوٹے اور عام لوگوں کو یہ جرأت نہ ہوسکی۔

آپ (ﷺ) کو گھر کے اندر جو لوگ تکلیف دیتے تھے، ان کے نام یہ ہیں:

''ابولہب، حکم بن ابی العاص بن امیہ، عقبہ بن ابو مُعَیط، عدی بن حمراء ثقفی، ابن الاصداء ہذلی۔''

یہ سب آپ کے پڑوسی تھے۔ جب آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو ان میں سے کوئی شخص بکری کی بچہ دانی اٹھا کر آپ پر پھینک دیتا اور جب ہانڈی چولہے پر چڑھی ہوتی تو اس ہانڈی میں پھینک دیتا۔ آپ جواب میں صرف اتنا کرتے کہ اسے لکڑی پر اٹھا کر لاتے اور

◄◄ چنانچہ طبرانی کی اس روایت میں ہے کہ جب قریش کے لوگوں نے ابوطالب سے آپ ﷺ کی شکایت کی تو آپ نے ان کے جواب میں فرمایا: [مَا أَنَا بِأَقْدَرَ عَلَى أَنْ أَدَعَ لَكُمْ ذَالِكَ عَلَى أَنْ تُشْعِلُوا لِي مِنْهَا شُعْلَةً] یعنی: الشَّمْسَ ''مجھ میں قدرت نہیں کہ میں تمھارے لیے اس کام کو چھوڑ دوں، اگرچہ تم اس سورج سے میرے لیے آگ کی لپٹ لے آؤ۔'' مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: ''السلسلة الصحيحة'' (92).

① سیرت ابن ہشام: 267,266/1.

دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے:

”اے بنو عبد مناف! یہ کیسا پڑوس ہے۔“ پھر اسے راستے میں پھینک دیتے۔[1]

❋ امیہ بن خلف جب آپ کو دیکھتا تو طعن و تشنیع کرتا۔ آنکھیں مار مار کر ان سے اشارے کرتا اور لوگوں کو ہشکارتا۔[2] اسی طرح اس کا بھائی اُبی بن خلف دھمکیاں دیتا ہوا کہتا:

”اے محمد! میرے پاس عود نامی گھوڑا ہے جسے روزانہ تین صاع خوراک کھلاتا ہوں، اسی پر سوار ہو کر تجھے قتل کروں گا۔“

بالآخر آپ ﷺ نے ایک بار فرمایا:

«بَلْ أَنَا أَقْتُلُكَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ» ”بلکہ ان شاء اللہ میں تجھے قتل کروں گا۔“

اور ایسا ہی ہوا کہ احد میں آپ ہی نے اسے قتل کیا۔ ایک روز یہی ابی بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی لایا اور اسے توڑ کر رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی طرف پھینک دیا۔[3]

❋ ایک بار عقبہ بن ابو معیط نے نبی ﷺ کے پاس بیٹھ کر کچھ سنا، یہ بات اس کے دوست ابی بن خلف کو معلوم ہوئی تو اس نے عتاب کیا اور کہا: جاؤ! نبی ﷺ کے چہرے پر تھوک کر آؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا۔[4]

❋ ابولہب تو پہلے ہی دن سے آپ کا دشمن تھا اور آپ کے درپے آزار رہا کرتا تھا۔ اس کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے عقد میں نبی ﷺ کی دو صاحبزادیاں رقیہ اور ام کلثوم تھیں۔ ابولہب نے دونوں بیٹوں سے کہا:

”اگر تم نے محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دی تو میرا تمھارا آمنا سامنا حرام ہے۔“

اس کی بیوی نے بھی کہا کہ انھیں طلاق دے دو کیونکہ وہ بددین ہو گئی ہیں، چنانچہ انھوں نے طلاق دیدی۔[5]

❋ ابولہب کی بیوی ام جمیل اروی بنت حرب بھی رسول اللہ ﷺ کی کٹر دشمن تھی۔ وہ کانٹے

① سیرت ابن هشام:416/1. ② سیرت ابن هشام:357,356/1. ③ سیرت ابن هشام:362,361/1.
④ سیرت ابن هشام:361/1. ⑤ سیرت ابن هشام:652/2، ومعجم الکبیر للطبراني:435/22 طبرانی عن قتادہ۔۔۔ وغیرہ۔

اچھا ایک سبا ایک سبا میں 60 منٹ ہوتے ہیں 7.30 صد

دار ڈالیاں لا کر رات کو آپ کے راستے میں ڈال دیتی کہ آپ اور آپ کے ساتھی زخمی ہو جائیں۔[1]

اسے سورت ﴿تَبَّتۡ يَدَآ أَبِي لَهَبٖ﴾ نازل ہونے کا پتہ چلا تو ہتھیلی میں پتھر لے کر رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلی۔ آپ خانہ کعبہ کے پاس ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اللہ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، چنانچہ وہ صرف حضرت ابو بکر ہی کو دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی:

تمھارا ساتھی کہاں گیا؟ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ میری ہجو کرتا ہے۔ واللہ! اگر اسے پالوں تو یہی پتھر اس کے منہ پر دے ماروں۔ سن لو! میں بھی شاعرہ ہوں، اس کے بعد یہ کہہ کر چلی گئی: مُذَمَّمًا عَصَيْنَا وَ أَمْرَهُ أَبَيْنَا وَ دِيْنَهُ قَلَيْنَا

''ہم نے ''مذمم'' کی نافرمانی کی، اس کی بات کا انکار کیا اور اس کے دین کو نفرت سے چھوڑ دیا۔''

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! کیا اس نے آپ کو نہیں دیکھا؟ آپ نے فرمایا:

«مَا رَأَتْنِي، لَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ بِبَصَرِهَا»

''وہ مجھے نہیں دیکھ سکی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نگاہ پکڑ لی تھی۔''[2]

قریش نے نبی ﷺ کو گالی دینے اور برا بھلا کہنے کا ایک طریقہ یہ بھی ایجاد کر رکھا تھا کہ وہ آپ کو محمد کی بجائے ''مذمم'' کہتے تھے جس کے معنی ''محمد'' کے بالکل الٹ ہیں۔ ''محمد'' کے معنی ہیں وہ شخص جس کی خوب تعریف کی گئی ہو۔ اور ''مذمم'' کے معنی ہیں، وہ شخص جس کی خوب برائی کی گئی ہو لیکن اللہ نے اسے آپ سے یوں پھیر دیا کہ وہ ''مذمم'' نامی آدمی کو گالی دیتے تھے جبکہ آپ کا نام ''محمد (ﷺ)'' تھا۔[3]

① تفسير سورة اللهب. ② سیرت ابن ہشام: 356/1، والمستدرك للحاكم: 361/2، ومصنف ابن أبي شيبة: 498/11، حديث: 11817، ومسند أبي يعلى: 246/4، حديث: 2358. ③ صحيح البخاري، المناقب، باب ماجاء في أسماء رسول الله ﷺ، حديث: 3533، ومسند أحمد: 244/2و340و369.

❋ اخنس بن شریق ثقفی بھی رسول اللہ ﷺ پر زیادتیاں کرتا تھا۔

❋ اور ابو جہل کا تو کہنا ہی کیا، کہ اس نے آپ کو اللہ کی راہ سے روکنے کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ وہ نبی ﷺ کو اپنی باتوں سے اذیت پہنچاتا، نماز سے روکتا اور اپنی حرکتوں پر فخر وتکبر کرتا۔ ایک روز نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو سختی پر اتر آیا اور دھمکیاں دینے لگا، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے اسے ڈانٹ دیا اور گلے کے پاس سے کپڑا پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝﴾

''تیرے لیے خرابی در خرابی ہے، پھر تیرے لیے خرابی در خرابی ہے۔''[1]

اس نے کہا:

''محمد! مجھے دھمکیاں دے رہے ہو۔ واللہ! تم اور تمھارا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں اس وادی (مکہ) کا سب سے طاقتور آدمی ہوں۔''[2]

ایک روز اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''محمد تمھارے سامنے اپنا چہرہ مٹی پر رکھتا ہے۔''

انھوں نے کہا'': ہاں۔'' اس نے کہا'': لات وعزیٰ کی قسم! اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو اس کی گردن روند دوں گا اور اس کا چہرہ مٹی پر رگڑ دوں گا۔''

اس کے بعد اس نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور اس زعم میں چلا کہ آپ کی گردن روند دے گا لیکن لوگوں نے اچانک کیا دیکھا کہ وہ ایڑیوں کے بل پلٹ رہا ہے اور دونوں ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کر رہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا ''ابو الحکم! تمھیں کیا ہوا؟ کہنے لگا ''میرے اور اس کے درمیان آگ کی ایک خندق ہے اور ہولناکیاں اور (فرشتوں کے پروں کے) بازو ہیں۔'' آپ نے فرمایا: «لَوْ دَنَا مِنِّي لَاخْتَطَفَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا»

[1] القيامة 35,34:75. [2] جامع الترمذي، التفسير، باب ومن سورة اقرأ، حديث: 3349، وتفسير الطبري: 234/30، وابن كثير، العلق: 490/6، والدر المنثور: 626/4، آیت مذکورہ کی تفسیر۔ اور سورۂ اقرا کی تفسیر۔

''اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے (اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے اور) اس کا ایک ایک عضو اچک لیتے۔''[1]

❋ ایسی ہی بدبختی عقبہ بن ابی معیط کے حصے میں بھی آئی۔ ایک بار رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی بیٹھے تھے۔ اتنے میں بعض افراد نے بعض سے کہا:

''کون ہے جو بنی فلاں کے اونٹ کی بچہ دانی لائے اور جب محمد سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر ڈال دے۔ اس پر قوم کا بدبخت ترین آدمی عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور بچہ دانی لاکر انتظار کرنے لگا۔ جب آپ نے سجدہ کیا تو دونوں کندھوں کے بیچ میں ڈال دی، پھر وہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ ادھر آپ سجدے ہی میں رہے، سر نہ اٹھایا یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں اور آپ کی پیٹھ سے بچہ دانی دور پھینکی، تب آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

«اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ بِقُرَیْشٍ» ''اے اللہ تو قریش کو پکڑ لے۔''

یہ بددعا ان پر شاق گزری کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے، پھر آپ نے ایک ایک شخص کا نام لے لے کر بددعا کی:

«اَللّٰھُمَّ عَلَیْکَ بِفُلَانٍ وَّ فُلَانٍ» ''اے اللہ! فلاں کو پکڑ لے اور فلاں کو۔''[2]

اور ہوا بھی یہی کہ وہ سب کے سب آئندہ بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔

رسول اللہ ﷺ سے استہزا کرنے والے پانچ بڑے افراد تھے: ولید بن مغیرہ مخزومی، اسود بن عبد یغوث زہری، ابو زمعہ اسود بن عبد المطلب اسدی، حارث بن قیس خزاعی اور عاص بن وائل سہمی۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ ان کے شر

① صحيح مسلم، صفات المنافقين وأحكامهم، باب قوله: ﴿إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ﴾ حديث: 2797-2798. ② صحيح البخاري، الصلاة، باب المرأة تُطرح عن المصلي شيئا من الأذى، حديث:240و520و2934و3185و3854و3960.

سے بچاؤ کے لیے تنہا اللہ آپ کو کفایت کرے گا، پھر ان میں سے ہر ایک پر ایسی بلا نازل کی جو عبرت و نصیحت سے بھرپور تھی۔

❋ چنانچہ ولید کو چند سال پہلے سے تیر کی ایک خراش لگی ہوئی تھی جو بالکل معمولی تھی مگر جبریل علیہ السلام نے اس خراش کے نشان کی طرف اشارہ کر دیا تو وہ پھوٹ پڑی اور کئی سال شدید تکلیف پہنچانے کے بعد جان لیوا ثابت ہوئی۔

❋ اسی طرح اسود بن عبد یغوث کے سر کی طرف حضرت جبریل علیہ السلام نے اشارہ کیا تو اس کو پھوڑے نکل آئے اور انھی پھوڑوں سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ اسے لو لگ گئی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا جس سے اسے استسقاء کی بیماری ہوگئی اور پیٹ اس قدر پھول گیا کہ بالآخر وہ اسی سے مر گیا۔

❋ اسود بن عبد المطلب نے جب رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں پہنچا پہنچا کر بہت تنگ کر دیا تو آپ نے بددعا کی: «اَللّٰهُمَّ أَعْمِ بَصَرَهُ وَ أَثْكِلْهُ وَلَدَهُ»

''اے اللہ! اس کی نگاہ چھین لے اور اسے لڑکے سے محروم کر دے۔''

چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور اس کے چہرے پر کانٹے دار پتے یا ڈالی سے مارا تو اس کی نگاہ جاتی رہی پھر اس کے لڑکے کو مارا تو وہ مر گیا۔

❋ عاص بن وائل ایک کانٹے دار درخت پر بیٹھ گیا۔ اس کا کانٹا پاؤں کے تلوے میں چبھ گیا۔ اس کا زہر سر تک دوڑ گیا۔ یہاں تک کہ وہ اسی زہر سے مر گیا۔[1]

یہ ان سختیوں کا ایک مختصر سا خاکہ ہے جو کھلم کھلا تبلیغ کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی تھیں۔ اس پیچیدہ صورت حال کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے دو قدم اٹھائے۔

[1] السنن الکبریٰ للبیہقی: 9/ 68، کتب تفاسیر: الطبری: 8/ 14/ 90، وابن کثیر: 2/ 738، والدر المنثور: 4/ 200 وغیرہ، تفسیر سورۃ الحجر آیت: 95۔

دار الارقم پہلا قدم یہ تھا کہ آپ نے ارقم بن ابوالارقم مخزومی کے گھر کو تبلیغ وعبادت اور تعلیم وتربیت کا خفیہ مرکز بنا دیا کیونکہ وہ بدمعاشوں کی نگاہوں سے دور صفا کے دامن میں واقع تھا، چنانچہ وہاں آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خفیہ طور پر اکٹھے ہوتے۔ نبی ﷺ صحابۂ کرام کو اللہ کی آیتیں تلاوت فرما کر سُناتے، ان کا تزکیہ کرتے اور انھیں کتاب وحکمت سکھاتے۔ اس تدبیر سے بہت سے ایسے حادثات سے بچاؤ ہو گیا کہ اگر آپ کھلے طور پر اکٹھے ہوتے تو ان کے پیش آنے کا غالب امکان تھا۔ باقی جہاں تک نبی ﷺ کی اپنی ذات کا تعلق ہے تو آپ مشرکین کے بیچوں بیچ کھلم کھلا اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے اور اس کے دین کی دعوت بھی دیتے تھے۔ اس سے نہ آپ کو کوئی ظلم وزیادتی روک سکتی تھی نہ مذاق اور استہزا۔ یہ اللہ کی حکمت تھی تاکہ جو ایمان لائے اسے بھی دعوت پہنچ جائے اور جو ایمان نہ لائے اسے بھی۔ اور اس تبلیغ کے بعد کسی کے لیے اللہ کے خلاف حجت باقی نہ رہ جائے اور قیامت کے روز کوئی کہنے والا یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری دینے اور ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔

ہجرت حبشہ دوسرا قدم یہ تھا کہ آپ نے یہ اچھی طرح معلوم کر لینے کے بعد کہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک انصاف پسند حکمران ہے اور اس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ حبشہ ہجرت کر جائیں۔[1] اس ہدایت کے مطابق رجب سنہ 5 نبوت میں مسلمانوں کے پہلے قافلے نے ہجرت کی۔ اس میں بارہ مرد چار عورتیں اور ان کے سردار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، نیز ان کے ساتھ ان کی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، جو نبی ﷺ کی صاحبزادی تھیں اور یہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد پہلا گھرانہ تھا جس نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی تھی۔[2]

یہ لوگ رات کے اندھیرے میں چپکے سے نکلے اور جدہ کے جنوب میں واقع شعیبہ کی بندرگاہ کا رخ کیا۔ قسمت کی بات ہے کہ وہاں دو تجارتی جہاز موجود تھے۔ یہ لوگ ان پر سوار

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 9/9. [2] زاد المعاد: 1/24.

ہو کر حبشہ پہنچ گئے۔

ادھر قریش کو ان کے بھاگنے کا پتہ چلا تو غیظ وغضب سے پھٹ پڑے۔ فوراً آدمی دوڑائے کہ انھیں پکڑ کر مکہ لایا جائے اور خوب سزا دی جائے، یہاں تک کہ وہ اللہ کا دین چھوڑ دیں لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے مسلمان سمندر میں دور جا چکے تھے، لہٰذا یہ لوگ ساحل تک جا کر نامراد واپس آ گئے۔[1]

مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کا سجدہ اس ہجرت کے کوئی دو مہینے بعد رمضان سنہ 5 نبوت میں ایک روز رسول اللہ ﷺ مسجد حرام تشریف لائے۔ اس وقت کعبہ کے آس پاس قریش کے بہت سارے لوگ جمع تھے۔ ان میں ان کے سردار اور بڑے بڑے لوگ بھی تھے۔ ''سورۂ نجم'' ابھی تازہ بتازہ اتری تھی۔ آپ نے ان کے درمیان اچانک کھڑے ہو کر اس کی تلاوت شروع کر دی۔ ایسا نفیس کلام انھوں نے کبھی سنا نہ تھا۔ اب جو اچانک اُنھوں نے کلامِ الٰہی سُنا تو وہ دم بخود ہو کر سنتے کے سنتے رہ گئے۔ خاموش، مبہوت، نہ روکنے کا یارا، نہ ٹوکنے کا ہوش بلکہ سورت کے آخر میں جب ڈانٹ ڈپٹ والی آیتیں آئیں تو اُن کے دلوں پر کپکپی طاری ہو گئی، پھر جونہی آپ نے یہ آیت پڑھ کر سجدہ کیا:

﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا﴾ ''اللہ کے لیے سجدہ کرو اور عبادت کرو۔''[2]

تو بے اختیار سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے، کسی کو اس حکم ربانی سے سرتابی کا یارا نہ رہا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ''نبی ﷺ نے سورۂ نجم پڑھی، پھر سجدہ کیا تو قوم کا کوئی فرد نہ بچا جس نے سجدہ نہ کیا ہو۔ ایک آدمی نے ایک مٹھی کنکری یا مٹی لی اور اسے اپنے چہرے کے اوپر تک لے گیا اور کہا میرے لیے یہی کافی ہے۔ بعد کو میں نے دیکھا کہ وہ جنگِ بدر میں حالت کفر میں مارا گیا۔ یہ آدمی امیہ بن خلف تھا۔''[3]

مہاجرین کی واپسی اس واقعے کی خبر حبشہ پہنچی لیکن خاصے فرق کے ساتھ، یعنی اُنھیں

[1] زاد المعاد: 24/1. [2] النجم 62:53. [3] صحيح البخاري، سجود القرآن، باب ما جاء في سجود القرآن......، حديث: 1067.

معلوم ہوا کہ قریش مسلمان ہو گئے ہیں، چنانچہ وہ خوشی خوشی مکہ پلٹے لیکن جب مکہ سے اتنے قریب آگئے کہ صرف ایک گھڑی کا فاصلہ باقی رہا تو حقیقت حال کا علم ہوا۔ اس کے بعد کچھ لوگ تو وہیں سے حبشہ پلٹ گئے اور کچھ لوگ چھپ چھپا کر یا کسی کی پناہ لے کر مکہ آئے۔[1]

دوسری ہجرت حبشہ اس کے بعد مسلمانوں پر قریش کی سختیاں اور بڑھ گئیں کیونکہ ایک طرف اُنھوں نے بے خودی میں مسلمانوں کے ساتھ جو سجدہ کر دیا تھا اس کا انھیں پچھتاوا تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں کے ساتھ نجاشی جو حسن سلوک کر رہا تھا، اس کی بھی انھیں جلن تھی، لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ''وہ دوبارہ حبشہ ہجرت کر جائیں'' چنانچہ اب کی بار بیاسی یا تراسی مرد اور اٹھارہ عورتوں نے ہجرت کی اور ظاہر ہے کہ یہ ہجرت پہلی ہجرت سے زیادہ پرمشقت تھی کیونکہ قریش چوکنے تھے اور مسلمانوں کی نقل وحرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے لیکن مسلمان ان سے کہیں زیادہ چوکنے، باحکمت اور صاحبِ استقامت ثابت ہوئے اور ان کی ساری دھر پکڑ کے باوجود حبشہ کو نکل گئے۔

مسلمانوں کی واپسی کے لیے قریش کا حربہ قریش پر یہ بات بہت گراں گزری کہ مسلمان ان سے چھوٹ کر ایک ایسی محفوظ جگہ جا پہنچے ہیں جہاں ان کی جان اور ایمان کو کوئی خطرہ نہیں، چنانچہ ان کی واپسی کے لیے قریش نے اپنے دو ہوشیار آدمیوں، یعنی عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو حبشہ بھیجا۔ یہ دونوں اس وقت مشرک تھے۔

اُنھوں نے حبشہ پہنچ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق سب سے پہلے پادریوں سے ملاقاتیں کیں اور انھیں تحفے تحائف پیش کر کے مدلل انداز میں اپنی آمد کا مقصد بتایا۔ ان سب نے حامی بھر لی۔ اس کے بعد نجاشی کے پاس آئے اور اسے بھی تحفے تحائف پیش کیے، پھر اصل مقصد کے لیے زبان کھولی اور کہا:

''بادشاہ سلامت! آپ کے ملک میں ہمارے کچھ ناسمجھ نوجوان بھاگ آئے ہیں۔

[1] سیرت ابن ہشام: 364/1، وزادالمعاد: 24/1 و 44/2.

انھوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے بلکہ ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جسے ہم جانتے ہیں نہ آپ، اس لیے ہمیں آپ کی خدمت میں ان کی قوم کے اشراف، یعنی ان کے والدین، چچاؤں اور کنبے قبیلے کے لوگوں نے بھیجا ہے تا کہ آپ انھیں واپس بھیج دیں کیونکہ وہ لوگ ان پر نگاہ رکھتے ہیں اور ان کی خامی اور خرابی کو سب سے اچھی طرح سمجھتے ہیں۔''

جب ان کی یہ بات پوری ہو چکی تو پادریوں نے بھی منصوبے کے مطابق ان کی تائید کی۔ لیکن نجاشی نے احتیاط برتی اور سوچا کہ دونوں فریقوں کی بات سننی چاہیے تبھی حق واضح ہو سکے گا، چنانچہ اس نے مسلمانوں کو بلایا اور پوچھا: ''یہ کیا دین ہے جس کی وجہ سے تم اپنی قوم سے الگ ہو گئے؟ پھر میرے دین میں داخل ہوئے، نہ دیگر ملتوں میں سے کسی کے دین میں داخل ہوئے۔

اس کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر بن ابو طالب نے بات کی۔ اُنھوں نے کہا:

''اے بادشاہ! ہم جاہلیت والی قوم تھے۔ بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، برائیاں کرتے تھے، قرابت داروں سے تعلق توڑتے تھے، پڑوسیوں سے بدسلوکی کرتے تھے، ہمارا طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا، ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ نے ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ ہم اس کی عالی نسبی، سچائی، امانت اور پاک دامنی کو جانتے تھے۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اسے ایک مانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انھیں چھوڑ دیں۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، قرابت جوڑنے، پڑوسی سے اچھا سلوک کرنے، حرام کاری اور خون ریزی سے باز رہنے کا حکم دیا اور بے حیائی کے کاموں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی

عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اس نے ہمیں نماز، زکاۃ اور روزے کا حکم دیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے اور بہت سے احکام بھی گنوائے، پھر کہا کہ ہم نے اس پیغمبر کو سچا مانا، اس پر ایمان لائے، اس کی پیروی کی اور اس کے لائے ہوئے دین الٰہی میں اس کا اتباع کیا، چنانچہ ہم نے صرف ایک اللہ کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا اور جو چیزیں اس نے حرام بتائیں، انھیں حرام مانا اور جو چیزیں حلال بتائیں، انھیں حلال جانا۔ اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی۔ اس نے ہم پر ظلم وستم کیا اور ہمیں دین سے پھیرنے کے لیے فتنوں اور سزاؤں سے دوچار کیا تاکہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر بت پرستی کی طرف پلٹ جائیں اور جن گندی چیزوں کو حرام سمجھتے تھے، انھیں پھر حلال سمجھنے لگیں۔ جب انھوں نے ہم پر بہت قہر وظلم کیا، زمین تنگ کر دی، ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے تو ہم نے آپ کے ملک کی راہ لی اور آپ کو دوسروں پر ترجیح دی اور آپ کی پناہ میں رہنا پسند کیا اور یہ امید کی کہ اے بادشاہ! آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔"

نجاشی نے یہ بات سنی تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کچھ قرآن پڑھنے کی فرمائش کی۔ انھوں نے "کھیعص" یعنی سورت مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں۔ اس پر نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہوگئی اور تمام پادری بھی اس قدر روئے کہ ان کے صحیفے تر ہو گئے، پھر نجاشی نے کہا: "یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، دونوں ایک ہی شمع کے اُجالے ہیں۔"

اس کے بعد قریش کے دونوں نمائندوں کو مخاطب کر کے کہا: "تم لوگ چلے جاؤ۔ واللہ! میں ان کو تمھارے حوالے نہیں کر سکتا اور نہ ان کے خلاف کوئی چال چلی جا سکتی ہے۔"

دوسرے دن عمرو بن عاص نے ایک خطرناک تدبیر اختیار کی۔ نجاشی سے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک بڑی خطرناک بات کہتے ہیں۔

اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلوایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا۔
حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم ان کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں، یعنی وہ اللہ کے بندے ہیں، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری، پاک دامن مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا تھا۔''

اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا:

''اللہ کی قسم! جو کچھ تم نے کہا ہے، اس سے عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی بڑھ کر نہ تھے۔ جاؤ! تم لوگ میری قلمرو میں امن وامان سے رہو۔ جو تمھیں گالی دے گا، اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ جو تمھیں گالی دے گا، اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ جو تمھیں گالی دے گا، اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ مجھے سونے کا پہاڑ بھی ملے تب بھی گوارا نہیں کہ تم میں سے کسی کو ستاؤں۔''

اس کے بعد حکم دیا کہ قریش کے نمائندوں کو ان کے تحفے تحائف واپس کر دیے جائیں، چنانچہ یہ دونوں صاحبان منہ لٹکائے مکہ لوٹے اور بتایا کہ مسلمانوں نے اچھے دیار میں اچھے ہمسائے کے ساتھ قیام کیا ہے۔[1]

مشرکین کی حیرت اس ناکامی پر مشرکین نے بہت پیچ وتاب کھایا اور چاہا کہ باقی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑیں۔ بالخصوص وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ دین کا کام مسلسل کیے جا رہے ہیں لیکن وہ یہ دیکھ کر الجھن میں پڑ جاتے تھے کہ سخت سے سخت دھمکی کے باوجود ابوطالب آپ کی مدد پر کمر بستہ ہیں اور ان سے ٹکرانا آسان نہیں، اس لیے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں۔ کبھی خونخواری کا جذبہ غالب آتا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بچے کھچے مسلمانوں کو سزائیں دینے لگتے، کبھی بحث ومناظرے کا دروازہ کھول دیتے۔ کبھی دنیا کی پرکشش چیزوں کی پیشکش کرتے، کبھی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر سودے بازی کرتے اور

[1] سیرت ابن ہشام :1/334 و 338.

کبھی سوچتے کہ نبی ﷺ کا صفایا کر کے اسلام کا چراغ گل کر دیں مگر ان میں سے کوئی بات بن نہ سکی اور کسی طرح مراد پوری نہ ہو سکی بلکہ ان ساری کوششوں کا نتیجہ ناکامی ونامرادی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اگلی سطور میں ہر ایک کا مختصر سا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

تعذیب اور قتل کی کوشش یہ فطری بات تھی کہ ناکامی کی صورت میں مشرکین کا جذبۂ خونخواری مزید بھڑک اٹھتا، چنانچہ اب صرف یہی نہیں کہ انھوں نے بچے کھچے مسلمانوں پر ظلم وجور کے پہاڑ توڑنے شروع کر دیے بلکہ رسول اللہ ﷺ پر بھی مزید سنگین دست درازیاں کیں۔

* چنانچہ ایک بار عتبہ بن ابولہب نبی ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ وہ ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾ ''پھر وہ (جبریل علیہ السلام) نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ پس دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔'' والے کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہو گیا۔ آپ کا کرتا پھاڑ دیا اور آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوک دیا لیکن تھوک خود اسی پر پلٹ آیا۔ آپ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ أَرْسِلْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ»

''یا اللہ! تو اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا چھوڑ دے۔''

اس کے بعد وہ ایک قافلے کے ساتھ ملک شام گیا۔ جب قافلے نے راستے میں ملک شام کے مقام زرقاء پر پڑاؤ ڈالا تو ایک شیر نے ان کے گرد چکر لگایا۔ عتبہ کہنے لگا ''واللہ! یہ مجھے کھا جائے گا، جیسا کہ محمد نے میرے لیے بددعا کی ہے۔ میں شام میں ہوں، وہ مکہ میں ہے لیکن اس نے مجھے مار ڈالا۔'' چنانچہ جب وہ لوگ سونے لگے تو عتبہ کو اپنے بیچوں بیچ سلایا، پھر بھی شیر نے اونٹوں اور انسانوں کو پھلانگتے ہوئے ٹھیک اسی کا سر آ دبوچا اور اسے مار ڈالا۔[1]

[1] الإصابة: 138/8، رقم: 11/87، ودلائل النبوة: 339/2، ومختصر السيرة شيخ عبدالله، ص: 135.

٭ اسی طرح ایک بار نبی ﷺ حالتِ سجدہ میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آ کر آپ کی گردن مبارک اپنے پاؤں سے اس قدر زور سے روندی معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی آنکھیں نکل پڑیں گی۔ ①

واقعات کی رفتار سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین نے اسلامی دعوت روکنے کی مختلف کوششوں میں ناکامیوں کے بعد سنجیدگی کے ساتھ یہ بھی سوچنا شروع کر دیا تھا کہ نبی ﷺ کو قتل کر دیں، خواہ اس کے نتیجے میں زبردست خونریزی کی نوبت ہی کیوں نہ آ جائے اور یہ امر اس بات سے مترشح ہے کہ ایک روز ابوجہل نے قریش سے کہا:

"آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ محمد ہمارے دین کو عیب لگانے، ہمارے آباء واجداد کی بدگوئی کرنے، ہماری عقلوں کو ماؤف ٹھہرانے اور ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے کے سوا کوئی بات ماننے کو تیار نہیں، اس لیے میں اللہ سے عہد کرتا ہوں کہ ایک بھاری بھرکم اور بمشکل اٹھنے والا پتھر لے کر اس کی تاک میں بیٹھوں گا اور جب وہ نماز پڑھتے ہوئے سجدے میں جائے گا تو اس کا سر کچل دوں گا۔ اس کے بعد تم لوگوں کا جی چاہے تو مجھے بچانا ورنہ بے یارومددگار چھوڑ دینا، بنوعبد مناف سے جو بن پڑے گا کر لیں گے۔" لوگوں نے کہا: "واللہ! ہم تمھیں ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ تم جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو۔"

اس کے بعد صبح ہوئی تو ابوجہل ویسا ہی ایک پتھر لے کر بیٹھ گیا۔ ادھر نبی ﷺ معمول کے مطابق تشریف لائے اور کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی۔ قریش بھی انتظار کر رہے تھے کہ دیکھیں ابوجہل کیا کرتا ہے۔ اب ابوجہل نے قدم اٹھائے اور آگے بڑھا لیکن جوں ہی قریب پہنچا تو اس طرح خوفزدہ ہو کر بھاگا کہ رنگ اڑا ہوا، حواس باختہ اور دونوں ہاتھ پتھر پر چپکے ہوئے تھے۔ اس نے پتھر پھینک دیا۔ قریش نے کہا:

"ابوالحکم! تمھیں یہ کیا ہوا؟"

① مختصر السیرۃ، ص: 113.

کہنے لگا ”میں نے رات جو بات کہی تھی، وہی کرنے جارہا تھا لیکن ایک اونٹ آڑے آ گیا۔ واللہ! میں نے اس جیسی کھوپڑی، گردن اور دانت کبھی دیکھے ہی نہیں۔ وہ چاہتا تھا کہ مجھے کھا جائے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ذَاكَ جِبْرِيلُ، لَوْ دَنَا لَأَخَذَهُ»

”وہ حضرت جبریل علیہ السلام تھے، اگر وہ قریب آتا تو دھر پکڑتے۔“[1]

اس کے بعد اس سے بھی زیادہ سنگین حادثہ پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک روز قریش حطیم میں اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں باتیں کر رہے تھے کہ اچانک آپ ﷺ نمودار ہوئے اور خانہ کعبہ کا طواف شروع کر دیا۔ دورانِ طواف جب ان کے قریب سے گزرے تو انھوں نے طعنہ زنی کی۔ اس کا اثر آپ کے چہرے پر دیکھا گیا۔ جب دوبارہ گزرے تو انھوں نے پھر طعنہ زنی کی اور اس کا اثر بھی آپ کے چہرے پر دیکھا گیا۔ اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ تیسری بار گزرے تو اس بار بھی انھوں نے طعنہ زنی کی۔ اب کی بار آپ نے ٹھہر کر فرمایا:

«أَتَسْمَعُونَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ؟ أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَقَدْ جِئْتُكُمْ بِالذَّبْحِ»

”قریش کے لوگو! سن رہے ہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمھارے پاس تمھارے قتل و ذبح کا حکم لے کر آیا ہوں۔“

آپ کی اس بات کا اتنا گہرا اثر ہوا کہ اُن پر سکتہ طاری ہو گیا گویا ان کے سر پر پرندہ آ بیٹھا ہو۔ یہاں تک کہ آپ کے بارے میں جو سب سے سخت آدمی تھا۔ وہ بھی اچھی سے اچھی باتیں کر کے آپ کو منانے لگا۔

اگلے دن یہ لوگ پھر اکٹھے ہو کر آپ ہی کی باتیں کر رہے تھے کہ اچانک آپ نمودار ہوئے اور آپ کو دیکھتے ہی سب کے سب آپ پر لپک پڑے۔ آپ کی چادر پکڑ لی اور کہنے

[1] سیرة ابن ہشام: 299,298.

لگے: ''تم ہی ہو جو ہم کو ہمارے باپ دادا کے معبودوں سے روکتے ہو۔''

آپ نے فرمایا: «أَنَا ذَاكَ» ''ہاں! میں ہی ہوں۔''

یہ سنتے ہی سب کے سب آپ پر پل پڑے۔ کوئی للکار رہا تھا، کوئی زدوکوب کر رہا تھا اور کوئی کچھ اور۔ عقبہ بن ابی معیط نے لپک کر آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور گلے میں لپیٹ کر بل دیتے ہوئے نہایت سختی سے گلا گھونٹا۔

ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس دلدوز صورت حال کی اطلاع ملی تو وہ دوڑ کر آئے۔ عقبہ کو دونوں کندھوں سے پکڑا اور دھکے دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ کیا، پھر وہ کسی کو مار رہے تھے، کسی سے لڑ رہے تھے اور کہتے جا رہے تھے: ''تم پر افسوس! تم ایک آدمی کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔'' اب کفار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ پر پلٹ پڑے اور اُنھیں اس قدر مارا کہ ان کے چہرے اور ناک میں تمیز مشکل ہو گئی۔ ان کی چار چوٹیاں تھیں۔ ان کو چھوا جاتا تو ہاتھ میں آ جاتی تھیں، چنانچہ بنو تیم ان کو کپڑے میں لپیٹ کر لے گئے اور گھر میں داخل کر دیا۔ انھیں ان کی موت میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن سر شام وہ بول پڑے اور بولے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پوچھا۔ اس پر بنو تیم نے اُنھیں ملامت کی اور وہاں سے چلے گئے۔

اس کے بعد اُنھیں کھانا پیش کیا گیا لیکن انھوں نے اس وقت تک کھانے پینے سے انکار کر دیا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ لیں، چنانچہ جب رات کا سناٹا چھا گیا اور لوگ آرام کرنے لگے تو انھیں دار ارقم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچایا گیا۔ انھوں نے جب آپ کو بخیر پایا تو کھانا پینا گوارا کیا۔[1]

یوں جب ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سختی بہت بڑھ گئی اور زندگی کی راہیں دشوار ہو گئیں تو وہ ہجرتِ حبشہ

[1] سیرت ابن ہشام: 290,289/1، وصحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب ذکر ما لقي النبي ﷺ وأصحابه من المشرکین بمکة، حدیث: 3856، ومختصر السیرۃ شیخ عبداللّٰہ، ص: 113، والدر المنثور: 655/5 وغیرہ کتب تفسیر، تفسیر سورۃ المومن، آیت: 28.

کے ارادے سے نکل پڑے۔ برک غماد پہنچے تو قارہ[1] اور احابیش کے سردار مالک بن دغنہ سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے ارادہ دریافت کیا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بتایا تو کہنے لگا:

”آپ جیسا آدمی نکالا نہیں جا سکتا، آپ خالی ہاتھ والوں کا بندوبست کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کے سلسلے میں پیش آنے والے مصائب کے ازالے میں مدد کرتے ہیں، لہٰذا میں آپ کا ضامن ہوں۔ آپ واپس چلیں اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کریں۔“

اس کے بعد دونوں واپس آئے اور ابن دغنہ نے قریش میں اعلان کیا کہ اس نے ابوبکر کو پناہ دی ہے۔ قریش نے اس کی پناہ دہی کا انکار نہ کیا، البتہ یہ کہا کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کہو کہ وہ کھلم کھلا نہیں بلکہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کریں کیونکہ ہمیں اندیشہ ہے مبادا ہماری عورتیں، بچے اور کمزور لوگ فتنے میں پڑ جائیں، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ اس بات پر برقرار رہے، پھر انھوں نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی اور کھلے عام نماز پڑھنے اور قراءت کرنے لگے۔ اس پر ابن دغنہ نے اپنی پناہ دہی یاد دلائی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی پناہ واپس کر دی اور فرمایا:

”میں اللہ کی پناہ میں راضی ہوں۔“

ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت رونے والے آدمی تھے۔ قرآن پڑھتے تو آنکھوں پر قابو نہ رہتا، اُن کی قراءت سن کر مشرکین کی عورتیں اور بچے ٹوٹ پڑتے، وہ تعجب کرتے اور حیرت سے دیکھتے۔ مشرکین اس وجہ سے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایذائیں پہنچاتے تھے۔[2]

انھی سنگین حالات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان گزر رہے تھے کہ ایسے واقعات پیش آئے جن کے نتیجے میں قریش کے دو جانباز سرفروش مسلمان ہو گئے اور ان کی قوت کے

[1] قارہ ایک مشہور قبیلے کا نام ہے اور احابیش چند عرب قبائل کا مجموعہ ہے جنھیں حبشی نامی پہاڑ کے پاس باہمی تعاون کا معاہدہ کرنے کی وجہ سے احابیش کہا جاتا ہے۔ [2] صحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي وأصحابه إلى المدينة، حديث: 3905.

جانثار دو مشہور عمر بن خطاب علی بن ابی طالب

سائے میں مسلمانوں نے بڑی راحت پائی۔ وہ ہیں رسول اللہ ﷺ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام: ان کے اسلام لانے کا واقعہ یوں ہے کہ ایک دن ابوجہل کوہ صفا کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا تو اُس نے آپ کو ایذا پہنچائی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کے سر پر ایک پتھر بھی دے مارا جس سے خون بہہ نکلا، پھر وہ خانہ کعبہ کے پاس قریش کی ایک مجلس میں جا بیٹھا۔ عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی کوہ صفا پر واقع اپنے مکان سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد حضرت حمزہ کمان حمائل کیے شکار سے واپس تشریف لائے تو اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت حمزہ دوڑتے ہوئے ابوجہل کے سر پر جا سوار ہوئے اور بولے:

''ارے او! بادِ شکم چھوڑنے والے! تو میرے بھتیجے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں۔''

اس کے بعد اسے اس زور سے کمان ماری کہ اس کے سر پر بدترین قسم کا زخم آ گیا۔ اس پر دونوں قبیلے بنو مخزوم اور بنو ہاشم ایک دوسرے کے خلاف بھڑک اٹھے مگر ابوجہل نے یہ کہہ کر معاملہ ٹھنڈا کر دیا کہ ابو عمارہ، یعنی حضرت حمزہ کو جانے دو۔ میں نے واقعی اس کے بھتیجے کو بہت بری گالی دی تھی۔[1]

ظاہر ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا اسلام محض حمیت کے طور پر تھا۔ گویا کسی قصد و ارادے کے بغیر زبان سبقت کر گئی تھی لیکن پھر اللہ نے ان کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔ وہ قریش کے بڑے معزز اور مضبوط جوان تھے، یہاں تک کہ ان کا لقب اسد اللہ (اللہ کا شیر) پڑ گیا۔ وہ ذی الحجہ سنہ 6 نبوت میں مسلمان ہوئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے تین ہی دن بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مسلمان ہو گئے۔ وہ اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کے خلاف بہت ہی

[1] سیرت ابن ہشام: 292,291/1.

سخت گیر تھے۔ ایک رات رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھپ کر چند آیتیں سن لیں۔ ان کے دل میں آیا کہ یہ حق ہے لیکن اپنے عناد پر قائم رہے، حتیٰ کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کرنے کی نیت سے تلوار لے کر نکل پڑے۔ راستے میں ایک آدمی سے ملاقات ہوگئی۔ اس نے پوچھا عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے:[1]

''محمد کو قتل کرنے جارہا ہوں۔''

اس نے کہا: ''محمد (ﷺ) کو قتل کرکے بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے کیسے بچ سکو گے؟''

حضرت عمر نے کہا: ''معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی بے دین ہو چکے ہو۔''

اس نے کہا: ''عمر! حیرت کی بات نہ بتاؤں۔ تمھارے بہن بہنوئی بھی تمھارا دین چھوڑ چکے ہیں۔''

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شدید غصے کی حالت میں بہن، بہنوئی کے گھر کا رخ کیا۔ وہاں حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سورۂ طٰہٰ پر مشتمل ایک صحیفہ پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سنی تو وہ گھر کے اندر چھپ گئے اور ان کی بہن نے صحیفہ چھپا دیا۔ اندر پہنچے تو پوچھا: ''یہ کیسی بھنبھناہٹ تھی جو میں نے تم لوگوں کی زبانی سنی؟''

انھوں نے کہا: ''کچھ بھی نہیں، بس ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''غالباً تم دونوں بے دین ہو چکے ہو۔''

بہنوئی نے کہا: ''اچھا عمر! یہ بتاؤ کہ اگر حق تمھارے دین کے ماسوا میں ہو تو؟''

اتنا سننا تھا کہ حضرت عمر اپنے بہنوئی پر چڑھ بیٹھے اور انھیں بری طرح کچل دیا۔ بہن نے لپک کر انھیں اپنے شوہر سے الگ کیا تو بہن کو ایسا چانٹا مارا کہ چہرہ خون آلودہ ہوگیا۔

بہن نے جوش غضب میں کہا: ''عمر! اگر حق تیرے دین کے ماسوا میں ہو تو؟''

[1] تاریخ عمر بن الخطاب از ابن جوزی :10,9/6 اور اسی کے قریب قریب سیرت ابن ہشام:348,346/1 میں ہے۔

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ»

”میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور میں گواہی دیتی ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں ﷺ۔“

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مایوسی وندامت ہوئی اور انھوں نے کہا:

”تمھارے پاس جو کتاب ہے ذرا مجھے بھی دو، میں بھی پڑھوں۔“

بہن نے کہا: ”تم ناپاک ہو۔ اور اسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ اٹھو! غسل کرو۔“

انھوں نے غسل کیا، پھر کتاب لی اور ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم“ پڑھی۔ کہنے لگے: ”یہ تو بڑے پاکیزہ نام ہیں۔“

اس کے بعد سورۂ طٰہٰ میں سے اس آیت تک قراءت کی:

﴿إِنَّنِيٓ أَنَا اللّٰهُ لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنَا فَاعْبُدْنِي ۙ وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيٓ ۝﴾ [1]

کہنے لگے: ”یہ تو بڑا عمدہ اور بڑا محترم کلام ہے۔ مجھے محمد کا پتہ بتاؤ۔“

یہ سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ باہر آگئے کہنے لگے:

”عمر! خوش ہو جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعرات کی رات تمھارے متعلق جو دعا کی تھی (کہ اے اللہ! عمر بن خطاب اور ابوجہل بن ہشام میں سے جو تیرا محبوب ہو اس کے ذریعے سے اسلام کو قوت پہنچا) یہ وہی ہے۔“

پھر بتلایا کہ ”اس وقت رسول اللہ ﷺ کوہ صفا کے پاس دار ارقم میں ہیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل کر دار ارقم کے پاس آئے اور دروازے کو دستک دی۔ ایک آدمی نے دروازے سے جھانکا تو دیکھا کہ عمر تلوار حمائل کیے موجود ہیں۔ لپک کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی اور سب لوگ سمٹ کر یکجا ہو گئے۔ حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا بات ہے؟

[1] طٰہٰ 14:20۔

لوگوں نے کہا: ”عمر ہے۔“ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”بس عمر ہے۔ دروازہ کھول دو۔ اگر وہ خیر کی نیت سے آیا ہے تو ہم اسے خیر عطا کریں گے اور اگر کوئی برا ارادہ لے کر آیا ہے تو اسی کی تلوار سے اس کا کام تمام کر دیں گے۔“

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف فرما تھے آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وحی نازل ہو چکی تو اندر سے بیٹھک میں تشریف لائے اور تلوار سمیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کپڑا پکڑ کر سختی سے جھٹکتے ہوئے فرمایا:

«أَمَا تَنْتَهِي يَا عُمَرُ! حَتّٰى يُنْزِلَ اللّٰهُ بِكَ مِنَ الْخِزْيِ وَالنَّكَالِ مَا نَزَلَ بِالْوَلِيدِ بْنِ الْمُغِيرَةِ؟ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، اَللّٰهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ»

”عمر! کیا تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر بھی ویسی ہی ذلت ورسوائی اور عبرت ناک سزا نازل نہ فرما دے جیسی ولید بن مغیرہ پر نازل ہو چکی ہے۔ یا اللہ! یہ عمر بن خطاب ہے۔ یا اللہ! اس عمر بن خطاب کے ذریعے سے اسلام کو عزت وقوت عطا فرما۔“

حضرت عمر نے کہا: «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ»

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔“

اس پر گھر کے اندر موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس زور سے تکبیر کہی کہ اس کی گونج مسجد حرام والوں تک پہنچ گئی۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام پر مشرکین کا ردعمل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قدر شہ زور تھے کہ کوئی ان کا رخ نہ کرتا تھا، چنانچہ جب وہ مسلمان ہوئے تو قریش کا جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] سیرت ابن ہشام: 1/343-346، وتاریخ عمر بن الخطاب، ص: 11،10،7.

کی عداوت اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سب سے سخت تھا، یعنی ابوجہل، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور دروازے کو دستک دی۔ وہ باہر آیا اور دیکھ کر بولا:

«أَهْلًا وَ سَهْلًا» ”خوش آمدید۔ کیسے آنا ہوا؟“

بولے: ”اس لیے آیا ہوں کہ تمھیں بتاؤں کہ میں اللہ اور اس کے رسول محمد پر ایمان لا چکا ہوں۔“

یہ سنتے ہی اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: ”اللہ تیرا برا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے اس کا بھی برا کرے۔“ ①

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے ماموں عاصی بن ہاشم کے پاس گئے اور اسے بتلایا تو وہ گھر کے اندر گھس گیا۔ ②

اس کے بعد جمیل بن معمر جمحی کے پاس گئے۔ یہ شخص کسی بات کا ڈھول پیٹنے میں پورے قریش میں سب سے ممتاز تھا۔ اسے بتایا کہ ”میں مسلمان ہو گیا ہوں“ تو اس نے بلند آواز سے چیخ کر کہا: ”خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ جھوٹ کہتا ہے۔ ”میں مسلمان ہو گیا ہوں۔“ یہ سن کر لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو مار رہے تھے اور لوگ حضرت عمر کو مار رہے تھے۔ یہاں تک کہ سورج سروں پر آ گیا اور حضرت عمر تھک کر بیٹھ گئے۔ ③

اس کے بعد جب گھر واپس ہوئے تو مشرکین نے اس ارادے سے جمع ہو کر ان کے گھر کا رخ کیا کہ انھیں جان سے مار ڈالیں۔ ان کا ریلا اتنا زبردست تھا کہ وادی گونج اٹھی تھی۔ اسی اثنا میں عاص بن وائل سہمی آ گیا۔ بنو سہم حضرت عمر کے قبیلے بنو عدی کے حلیف تھے۔ وہ دھاری دار یمنی چادر کا جوڑا اور ریشمی گوٹے سے آراستہ کرتہ زیب تن کیے ہوئے تھا۔ اس

① سیرت ابن هشام :350,349/1. ② تاریخ عمر بن خطاب، ص: 8. ③ ابن حبان (مرتب): 16/9، وسیرت ابن هشام:349,348/1، والمعجم الأوسط للطبراني: 172/2 حديث: 1315و تاریخ عمر بن الخطاب، ص: 8.

نے پوچھا کیا بات ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں مسلمان ہو گیا ہوں، اس لیے آپ کی قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔'' عاص نے کہا: ''یہ ممکن نہیں۔''

اس کے بعد وہ باہر نکلا، دیکھا کہ لوگوں کے ریلے سے وادی گونج رہی ہے۔ پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ خطاب کا بیٹا بے دین ہو گیا ہے۔'' عاص نے کہا: ''اس کی طرف کوئی راہ نہیں۔'' (تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) یہ سنتے ہی لوگ واپس پلٹ گئے۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے انھوں نے بڑی عزت وقوت محسوس کی۔ اس سے پہلے مسلمان چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ وہ مسلمان ہوئے تو انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں، خواہ زندہ ہیں، خواہ مردہ؟

آپ نے فرمایا: «بَلٰی» ''کیوں نہیں۔''

انھوں نے کہا: ''پھر چھپنا کیسا۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم ضرور نکلیں گے۔''

چنانچہ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمراہ لے کر دو صفوں میں نکلے، ایک میں حضرت حمزہ اور ایک میں حضرت عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ ان کے چلنے سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا، یہاں تک کہ یہ حضرات مسجد حرام میں جا داخل ہوئے۔ قریش نے دیکھا تو ان کے دلوں پر ایسی چوٹ لگی کہ اب تک نہ لگی تھی۔ اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لقب فاروق پڑ گیا۔[2]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سے حضرت عمر نے اسلام قبول کیا، ہم برابر طاقتور اور باعزت رہے۔[3] انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ ہم خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کا ارشاد

[1] صحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب إسلام عمر....، حدیث:3864. [2] تاریخ عمر بن الخطاب، ص:7,6. [3] صحیح البخاري، الفضائل، باب مناقب عمر بن الخطاب، حدیث:3684.

ہے: ”جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اسلام ظاہر ہوا۔ اس کی علانیہ دعوت دی گئی۔ ہم حلقے لگا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے اور اس کا طواف کیا اور جس نے ہم پر سختی کی اس سے انتقام لیا اور اس کے بعض مظالم کا جواب دیا۔“[1]

پرکشش مرغوبات کی پیشکش حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مسلمان ہو جانے کے بعد جب مشرکین نے مسلمانوں کی قوت وشوکت دیکھی تو باہم مشورے کے لیے اکٹھے ہوئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے بارے میں مناسب قدم اٹھا سکیں۔ ان سے عتبہ بن ربیعہ نے، جو بنی عبد شمس سے تعلق رکھتا تھا اور اپنی قوم کا سردار وصاحب فرمان تھا، کہا: ”قریش کے لوگو! کیوں نہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا کر ان سے گفتگو کروں اور اُن کے سامنے چند باتیں رکھوں۔ ممکن ہے وہ کوئی چیز قبول کر لیں تو وہ چیز ہم انھیں دے دیں گے اور وہ ہم سے باز رہیں گے۔“

لوگوں نے کہا: ”ٹھیک ہے ابوالولید! آپ جائیے اور ان سے بات کیجیے۔“

اس کے بعد عتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ مسجد میں تنہا بیٹھے تھے۔ اس نے کہا: ”بھتیجے! ہماری قوم میں تمھارا جو مرتبہ ومقام ہے وہ تمھیں معلوم ہے۔ تم حسب ونسب کے لحاظ سے ہمارے بہترین آدمی ہو اور اب تم اپنی قوم کے پاس ایک بڑا معاملہ لے کر آئے ہو، جس کی وجہ سے تم نے ان کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ ان کی عقلوں کو حماقت زدہ قرار دیا ہے، ان کے معبودوں اور ان کے دین کی عیب چینی کی ہے اور ان کے گزرے ہوئے آباء واجداد کو کافر ٹھہرایا ہے، لہٰذا میری بات سنو! میں چند باتوں کی پیش کش کرتا ہوں۔ ان پر غور کرو، ہوسکتا ہے تم ان میں سے کوئی چیز قبول کر لو۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قُلْ يَا أَبَا الْوَلِيدِ! أَسْمَعْ» ”ابوالولید! کہو، میں سنوں گا۔“

اس نے کہا: ”بھتیجے! یہ معاملہ جسے تم لے کر آئے ہو اگر اس سے تم چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم تمھارے لیے اتنا مال جمع کیے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ مالدار

[1] تاريخ عمر بن الخطاب، ص: 13.

ہو جاؤ۔ اور اگر تم اعزاز و مرتبہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں، یہاں تک کہ تمھارے بغیر کسی معاملے کا فیصلہ نہ کریں گے۔ اور اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ بنائے لیتے ہیں۔ اور اگر تمھارے اندر خواہش نفس ہے تو قریش کی جو عورت چاہو منتخب کر لو، ہم دس عورتوں سے تمھاری شادی کیے دیتے ہیں۔[1] اور یہ جو تمھارے پاس آتا ہے اگر وہ کوئی جن بھوت ہے جسے تم دفع نہیں کر سکتے تو ہم تمھارے لیے اس کا علاج فراہم کیے دیتے ہیں۔ اور اس پر اتنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں کہ تم شفایاب ہو جاؤ کیونکہ کبھی کبھی کوئی جن بھوت انسان پر اس قدر غالب آ جاتا ہے کہ اس کا علاج کرانا پڑتا ہے۔"

نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَوَ قَدْ فَرَغْتَ يَا أَبَا الْوَلِيدِ!» "کیا ابو الولید! تم اپنی بات کہہ چکے؟"

اس نے کہا: "ہاں۔" آپ نے فرمایا: «فَاسْمَعْ مِنِّي» "اب میری بات سنو!"

اس نے کہا: "ٹھیک ہے سنوں گا۔"

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿حٰمٓ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ○﴾

"شروع اللہ کے نام سے جو مہربان اور رحم کرنے والا ہے حٰمٓ یہ رحمٰن ورحیم کی

[1] سیرت ابن ہشام:1/294,293، والمعجم الصغير للطبراني:1/265، وابن كثير: 4/116، تفسير سورة فصلت:41:1-13۔ ایسی ہی پیش کشوں پر آپ نے فرمایا کہ "اگر وہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج لا کر رکھ دیں اور بائیں پر چاند (مجھے مال و دولت سے لا دیں) پھر بھی میں اپنا مشن نہیں چھوڑوں گا مگر یہاں پیش کشوں کا ذکر ہے، جواب کا نہیں۔ (مبارکپوری)

طرف سے نازل کی ہوئی ایسی کتاب ہے، جس کی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔ (بزبانِ) عربی قرآن، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگوں نے اعراض کیا اور وہ سنتے نہیں۔ کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم بلاتے ہو اس کے لیے ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے۔ اور ہمارے اور تمھارے درمیان روک ہے۔ پس تم کام کیے جاؤ، ہم بھی (اپنا) کام کیے جا رہے ہیں۔"[1]

رسول اللہ ﷺ آگے پڑھتے گئے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے سنتا رہا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے:

﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ۝﴾

"پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہہ دو کہ میں تمھیں عاد وثمود کی کڑک جیسی ایک کڑک کے خطرے سے آگاہ کر رہا ہوں۔"[2]

تو عتبہ نے اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے منہ پر رکھ دیا اور اللہ اور قرابت کا واسطہ دے کر کہا کہ "ایسا نہ کریں۔" اسے ڈر تھا کہ مبادا یہ عذاب آ پڑے۔ اس نے کہا: "اتنا کافی ہے۔"

پھر جب رسول اللہ ﷺ آیتِ سجدہ پر پہنچے تو سجدہ کیا، پھر فرمایا:

«سَمِعْتَ يَا أَبَا الْوَلِيدِ؟» "ابوالولید! تم نے سن لیا۔"

اس نے کہا: "ہاں! میں نے سن لیا۔"

آپ نے فرمایا: «فَأَنْتَ وَذَاكَ» "اب تم ہو اور وہ ہے۔"

عتبہ اٹھا اور سیدھا اپنے ساتھیوں کا رخ کیا۔ انھوں نے آپس میں کہا: "واللہ! عتبہ وہ چہرہ لے کر نہیں آ رہا جو لے کر گیا تھا۔" پھر جب عتبہ ان کے درمیان آ بیٹھا تو انھوں نے کہا: "ابوالولید! پیچھے کی کیا خبر ہے؟ اس نے کہا:

"پیچھے کی خبر یہ ہے کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا ہے کہ واللہ! میں نے ویسا کلام کبھی

[1] فصلت 41:1-5. [2] فصلت 41:13.

نہیں سنا۔ واللہ! نہ وہ شعر ہے، نہ جادو، نہ کہانت۔ قریش کے لوگو! میری بات مانو! اور اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ (میری رائے یہ ہے کہ) اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ کر الگ تھلگ بیٹھ رہو۔ اللہ کی قسم! میں نے اس کا جو قول سنا ہے اس سے زبردست واقعہ رونما ہو کر رہے گا۔ اب اگر اس شخص کو عرب نے مار ڈالا تو تمھارا کام دوسروں کے ذریعے سے انجام پا جائے گا۔ اور اگر یہ شخص عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہت تمھاری بادشاہت اور اس کی عزت تمھاری عزت ہوگی اور اس کا وجود سب سے بڑھ کر تمھارے لیے سعادت کا باعث ہوگا۔“

لوگوں نے کہا: ”ابوالولید! واللہ! اس نے تم پر بھی جادو کر دیا ہے۔“

اس نے کہا: ”اس شخص کے بارے میں میری رائے یہی ہے۔ اب تم جو چاہو کرو۔“[1]

سودے بازیاں اور دست برداریاں تحریص وترغیب میں اس ناکامی کے بعد مشرکین نے سوچا کہ دین کے بارے میں سودے بازی کی جائے، چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ سے کہا:

”ہم آپ کو ایک پیش کش کرتے ہیں جس میں آپ ہی کی بہتری ہے۔“

آپ نے پوچھا: «وَمَا هِيَ؟» ”وہ کیا ہے؟“

انھوں نے کہا: ”ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں۔ اب اگر ہم حق پر ہیں تو آپ نے اس سے ایک حصہ لے لیا اور اگر آپ حق پر ہیں تو ہم نے اس سے ایک حصہ لے لیا۔“

اس پر اللہ تعالیٰ نے سورت ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ نازل فرمائی:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ○ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ○﴾

”آپ کہہ دیں اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو،

[1] سیرت ابن هشام: 294/1.

نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں تمھارے لیے تمھارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔"[1]

اور یہ بھی نازل فرمایا: ﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ﴾

"اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں۔"[2]

اور یہ بھی نازل فرمایا:

﴿قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾

"آپ کہہ دیں مجھے منع کیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے ہو میں ان کی عبادت کروں۔"[3]

مشرکین اختلاف ختم کرنے کے خواہاں تھے اور عتبہ بن ربیعہ نے جو امید ظاہر کی تھی، اس کی توقع بھی رکھتے تھے، لہٰذا انھوں نے مزید دست برداری کا اظہار کیا اور رسول اللہ ﷺ جو کچھ پیش فرما رہے تھے اسے قبول کرنے کا میلان بھی ظاہر کیا، البتہ آپ ﷺ کے پاس جو وحی آئی تھی اس میں قدرے تغیر وتبدل کی شرط لگائی۔ کہا:

﴿ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ﴾

"اس کے بجائے کوئی اور قرآن لائیے۔ یا اس میں تبدیلی کر دیجیے۔"[4]

اللہ نے آپ کو حکم دیا:

﴿قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾

"آپ کہہ دیں مجھے کوئی اختیار نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی کروں۔ میں تو اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے،

[1] الکافرون 109:1-6. [2] الزمر 39:64. [3] الأنعام 6:56. [4] یونس 10:15.

اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔''[1]

نیز اللہ نے اس کی سنگینی پر آپ کو متنبہ کیا اور نبی ﷺ کے دل میں جو بعض خیالات گزر رہے تھے ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ڰ وَاِذًا لَّا تَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ○ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـــًٔا قَلِيْلًا ○ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ○﴾

''اور بے شک قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو اس چیز کے متعلق فتنے میں ڈال دیتے جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور تب یقیناً یہ لوگ آپ کو گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک گئے ہوتے لیکن ایسی صورت میں ہم آپ کو زندگی کا دوگنا اور موت کا دوگنا (عذاب) چکھاتے، پھر آپ اپنے لیے ہمارے برخلاف کسی کو مددگار نہ پاتے۔''[2]

اس ٹھوس موقف سے مشرکین پر یہ بات واضح ہوگئی کہ نبی ﷺ واقعی دین کی دعوت دے رہے ہیں۔ آپ کوئی تاجر نہیں، جو قیمت کے بارے میں سودے بازی یا دست برداری قبول کر لیتا ہے، لہٰذا انھوں نے چاہا کہ ایک اور طریقے سے اس بات کو مزید پختہ کر لیں، چنانچہ انھوں نے یہود کے پاس نمائندے بھیجے کہ وہ نبی ﷺ کے بارے میں ان سے دریافت کریں۔ علمائے یہود نے کہا: ''اس سے تین باتیں پوچھو اگر وہ بتا دے تو واقعی نبی مُرسل ہے، ورنہ بناوٹی ہے۔''

''اس سے چند جوانوں کے بارے میں پوچھو جو زمانۂ اول میں گزر چکے ہیں کہ ان کا کیا واقعہ ہے کیونکہ ان کا بڑا عجیب واقعہ ہے اور اس سے ایک گردش کرنے والے آدمی کے

[1] یونس 10: 15، وسیرت ابن ہشام: 362/1، وتفسیر ابن جریر: 12-30/24، سورۃ الزمر، آیت: 64، تفسیر سورۃ الکافرون، والدر المنثور: 626/5، آیات مذکورہ۔ [2] بنی إسراءیل 17: 73-75.

متعلق پوچھو جو زمین کے مشرق و مغرب تک پہنچا تھا کہ اس کی کیا خبر ہے۔ اور اس سے روح کے بارے میں پوچھو کہ وہ کیا ہے۔''

چنانچہ سردارانِ قریش نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ سوالات رکھے۔ جواب میں ''سورۂ کہف'' نازل ہوئی، جس میں ان جوانوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور وہ اصحاب کہف ہیں۔ اور اس گردش کرنے والے آدمی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے اور وہ ذوالقرنین ہے۔ اس کے علاوہ ''سورۂ اسراء'' میں روح کے متعلق سوال کا جواب نازل ہوا، فرمایا گیا:

﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلرُّوحِ ۖ قُلِ ٱلرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّى وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴾

''یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں روح میرے رب کے امر سے ہے اور تمھیں علم سے بہت تھوڑا (حصہ) دیا گیا ہے۔''[1]

یہ امتحان اس بات پر قریش کے مطمئن ہونے کے لیے کافی تھا کہ محمد ﷺ واقعی رسول برحق ہیں بشرطیکہ وہ حق چاہتے لیکن ان ظالموں نے کفر ہی کی راہ اپنائی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب ان پر حقائق واضح ہو گئے اور حق کھل گیا تو انھوں نے کچھ لچک ظاہر کی، چنانچہ انھوں نے نبی ﷺ کی بات سننے پر آمادگی کا اظہار کیا اور یہ بھی ظاہر کیا کہ ممکن ہے وہ اسے مان لیں اور قبول کر لیں لیکن یہ شرط لگائی کہ ان کے لیے مخصوص مجلس ہو جس میں کمزور مسلمان حاضر نہ ہوں، یعنی وہ غلام اور مساکین وہاں نہ آئیں جو پہلے مسلمان ہو چکے تھے، یہ مطالبہ کرنے والے مکہ کے سادات واشراف تھے۔ اُنھیں گوارا نہ تھا کہ ان مسکینوں کے ساتھ بیٹھیں جو اصحاب ایمان وتقویٰ ہونے کے باوجود کمزور اور غلام تھے۔

شاید نبی ﷺ ان کے اس مطالبے کو قبول کرنے پر کسی قدر آمادہ بھی ہوئے کہ ممکن ہے، اس طرح وہ ایمان لے آئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو منع کر دیا اور فرمایا:

[1] بنی إسراء یل 85:17.

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

”جو لوگ اپنے رب کی مرضی چاہتے ہوئے اسے صبح وشام پکارتے ہیں، آپ انھیں (اپنی مجلس سے) نہ ہٹائیں۔ آپ پر ان کا کوئی حساب نہیں اور ان پر آپ کا کوئی حساب نہیں، آپ انھیں ہٹائیں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔“①

عذاب کی جلدی نبی ﷺ نے بعض اوقات مشرکین کو یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر وہ آپ ﷺ کی مخالفت پر مصر رہے تو اُن پر اللہ کا عذاب بھی آ سکتا ہے، چنانچہ جب اس عذاب میں تاخیر ہوئی تو انھوں نے مذاق اور ضد کے طور پر عذاب آنے کی جلدی مچانی شروع کی اور اس بات کا مظاہرہ کیا کہ ان پر اس دھمکی کا کوئی اثر ہے اور نہ یہ کبھی پوری ہوسکتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں بھی چند آیات نازل کیں۔ فرمایا:

﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ﴾

”یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں اور اللہ اپنے وعدے کی ہرگز خلاف ورزی نہ کرے گا اور بے شک تمھارے پروردگار کے نزدیک ایک دن تمھارے حساب کے مطابق ہزار برس کے برابر ہے۔“②

نیز فرمایا: ﴿ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

”یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی (کا مطالبہ) کر رہے ہیں، حالانکہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔“③ مزید فرمایا:

﴿ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ

① الأنعام 52:6، وسیرت ابن ہشام: 301,299/1، تفسیر آیت مذکورہ از ابن جریر: 262/7/5، وابن کثیر: 183/2، والدر المنثور: 24/3. ② الحج 47:22. ③ العنکبوت 54:29.

الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○﴾

’’کیا جن لوگوں نے برے مکر کیے ہیں، وہ اس بات سے نڈر ہیں کہ اللہ انھیں زمین میں دھنسا دے، یا ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آ جائے جسے وہ نہیں جانتے، یا ان کو ان کی آمد ورفت کے دوران دھر پکڑے کہ وہ عاجز کرنے والے نہیں ہیں، یا ان کو ڈراوے کے ساتھ پکڑ لے۔ تو بے شک تمھارا رب نرم خو ورحیم ہے۔‘‘[1]

مشرکین کا ایک مخاصمتی حربہ یہ بھی تھا کہ وہ عناد کے طور پر اور عاجز کرنے کی غرض سے معجزات اور خرق عادت نشانیاں طلب کرتے تھے۔ اللہ نے اس بارے میں وحی نازل کر کے اپنی سنت بیان کر دی اور ان کی حجت کا خاتمہ کر دیا۔ آئندہ صفحات میں ان شاء اللہ اس کا بھی کسی قدر بیان آئے گا۔

یہ وہ طرح طرح کی کوششیں تھیں جن کے ذریعے سے مشرکین نے نبی ﷺ کی رسالت اور دعوت کا مقابلہ کیا اور ان سب کو پہلو بہ پہلو آزمایا۔ وہ ایک حالت سے دوسری حالت اور ایک دور سے دوسرے دور کی طرف پلٹتے رہتے تھے۔ سختی سے نرمی کی طرف تو نرمی سے سختی کی طرف، جھگڑے سے سودے بازی کی طرف تو سودے بازی سے جھگڑے کی طرف، ترہیب سے ترغیب کی طرف تو ترغیب سے تخویف کی طرف، وہ بھڑکتے، پھر ڈھیلے پڑ جاتے، حجت بازی کرتے، پھر روا داری برتتے، خم ٹھونک کر للکارتے پھر پچھلو پچھ دو پر اتر آتے، دھمکیاں دیتے، پھر مرغوبات پیش کرتے، گویا وہ ایک قدم آگے بڑھتے، ایک قدم پیچھے ہٹتے، انھیں قرار تھا نہ وہ فرار پسند کرتے تھے۔ ان سب کا مقصود یہ تھا کہ اسلام کی دعوت روک دی جائے اور کفر کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر سے جڑ جائے لیکن وہ ساری کوشش کر کے بھی ناکام ونامراد ہی رہے۔ اب ان کے سامنے صرف ایک ہی راستہ رہ گیا تھا اور وہ تھی تلوار لیکن تلوار سے شیرازہ اور زیادہ منتشر ہوتا بلکہ ایسی خونریزی شروع ہو سکتی تھی جو ان

[1] النحل 16:45-47.

کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دیتی، اس لیے انھیں حیرت تھی کہ وہ کریں تو کیا کریں۔

جہاں تک ابو طالب کا تعلق ہے تو ان کے سامنے جب مشرکین کا یہ مطالبہ آیا کہ وہ نبی ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ان کے حوالے کر دیں، پھر انھیں مشرکین کی نقل وحرکت سے یہ محسوس ہوا کہ وہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کے عزائم رکھتے ہیں، مثلاً: ابو جہل، عقبہ بن ابومعیط اور عمر بن خطاب کے اقدامات۔ تو انھوں نے بنو ہاشم اور بنو المطلب کو اکٹھا کر کے انھیں نبی ﷺ کی حفاظت کی دعوت دی۔ جس پر ان کے مسلم وکافر سب نے لبیک کہا اور خانہ کعبہ کے پاس اس کا عہد و پیمان کیا۔ صرف ابولہب نے اپنی علیحدہ راہ اختیار کی اور ان سے الگ ہو کر قریش کے ساتھ ہو گیا۔[1]

مکمل بائیکاٹ مشرکین کی حیرت اور بڑھ گئی کیونکہ ان کی ساری تدبیریں بے کار ثابت ہوئیں اور وہ سمجھ گئے کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب، خواہ کچھ بھی ہو، نبی ﷺ کی حفاظت کا مصمم عزم کیے ہوئے ہیں، لہٰذا وہ اس صورتِ حال پر غور اور اس کے متعلق فیصلہ کرنے کے لیے خیف بنی کنانہ میں جمع ہوئے اور سر جوڑ کر مشورہ کیا، بالآخر ایک ظالمانہ حل سمجھ میں آ گیا اور اسی پر آپس میں عہد و پیمان کر لیا۔ وہ حل یہ تھا:

”وہ لوگ بنو ہاشم اور بنو المطلب کا بائیکاٹ کریں اور یہ عہد کریں کہ ان کے ساتھ نہ شادی بیاہ کریں گے، نہ ان سے خرید و فروخت کریں گے، نہ ان سے بات چیت کریں گے، نہ کبھی کسی طرح کی کوئی صلح قبول کریں گے، نہ ان کے ساتھ کسی طرح کی مروت برتیں گے۔ یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کے لیے ان کے حوالے کر دیں۔“

قریش نے اس قرارداد پر باہم عہد و پیمان کیا اور اس کے متعلق ایک صحیفہ لکھ کر خانہ کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔ لکھنے والا بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بددعا کی اور اس کا ہاتھ یا ہاتھ کی بعض انگلیاں شل ہو گئیں۔[2]

[1] سیرت ابن ہشام: 1/269. [2] زادالمعاد: 2/46، نیز دیکھیے صحیح البخاري، الحج، باب نزول النبي ﷺ مكة، حديث: 1690.

اس کے بعد ابو لہب کو چھوڑ کر سارے بنو ہاشم اور بنو المطلب، خواہ مسلم ہوں یا کافر، شعب ابو طالب میں سمٹ آئے۔ ان کا دانہ پانی بند کر دیا گیا اور تاجروں کو ان کے ساتھ لین دین سے منع کر دیا گیا، چنانچہ یہ لوگ سخت مشقت میں پڑ گئے، یہاں تک کہ درختوں کے پتے اور چمڑے کھائے، فاقوں پر فاقے کیے، حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں کے بھوک سے بلکنے کی آوازیں باہر سے سنی جاتی تھیں۔ ان کے پاس کوئی چیز پہنچ نہیں سکتی تھی۔ اگر پہنچتی بھی تھی تو چھپ چھپا کر، چنانچہ حکیم بن حزام اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے کبھی کبھی گیہوں بھجوا دیتا تھا۔ یہ لوگ گھاٹی سے صرف حرام مہینوں (حرمت کے مہینے) ہی میں باہر نکلتے اور باہر سے آئے ہوئے قافلوں سے کچھ خرید و فروخت کرتے تھے لیکن اہلِ مکہ ان کے سامان کی قیمت اس قدر بڑھا کر لگا دیتے تھے کہ یہ لوگ خرید نہ سکیں۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ساری سختیوں کے باوجود اللہ کی طرف مسلسل دعوت دے رہے تھے، بالخصوص ایامِ حج میں جبکہ عرب قبائل ہر چہار جانب سے مکہ آتے تھے۔

صحیفہ چاک اور بائیکاٹ ختم کوئی تین برس بعد اس ظلم کے خاتمے کا وقت آیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایک طرف پانچ ''اشراف قریش'' کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ صحیفہ چاک کر کے بائیکاٹ ختم کر دیں اور دوسری طرف دیمک بھیج کر اس صحیفے سے قطع رحمی اور ظلم و ستم کی ساری باتیں چٹ کرا دیں اور صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نام اور ذکر باقی رہ گیا۔

پانچ ''اشراف قریش'' میں سے پہلا ہشام بن عمرو بن حارث تھا جو بنو لؤی سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ شخص زہیر بن ابو امیہ مخزومی کے پاس گیا، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی عاتکہ کا بیٹا تھا، پھر مطعم بن عدی کے پاس گیا، پھر ابو البختری بن ہشام کے پاس گیا، پھر زمعہ بن اسود کے پاس گیا اور ان میں سے ہر ایک کو رشتہ و قرابت یاد دلائی۔ ظلم ہوتا دیکھنے پر ملامت کی اور صحیفہ چاک کرنے پر ابھارا، لہٰذا یہ سب حجون کے ناکے پر جمع ہوئے اور صحیفہ چاک کرنے کے لیے ایک متفقہ پروگرام طے کیا۔

چنانچہ صبح کو جب قریش کی محفلیں مسجد حرام میں جم گئیں تو زہیر ایک خوبصورت جوڑا

زیب تن کیے ہوئے آیا۔ اس نے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا، پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا:

''مکے والو! کیا ہم کھانا کھائیں، کپڑے پہنیں اور بنو ہاشم تباہ وبرباد ہوں، نہ وہ بیچ سکیں، نہ خرید سکیں۔ واللہ! میں بیٹھ نہیں سکتا یہاں تک کہ اس ظالمانہ اور قرابت شکن صحیفے کو چاک کر دیا جائے۔''

ابوجہل نے کہا: ''تم غلط کہتے ہو، واللہ! اسے چاک نہیں کیا جا سکتا۔''

زمعہ نے کہا: ''واللہ! تم زیادہ غلط کہتے ہو۔ یہ جب لکھا گیا تھا تب بھی ہم اس کے لکھنے پر راضی نہ تھے۔''

اس پر ابوالبختری نے کہا: ''زمعہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے ہم راضی ہیں، نہ اسے ماننے کو تیار ہیں۔''

اب مُطعِم بن عدی کی باری تھی اس نے کہا: ''تم دونوں ٹھیک کہتے ہو اور جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ ہم اس صحیفے اور اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے اللہ کے حضور براءت کا اظہار کرتے ہیں۔''

پھر ہشام بن عمرو نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

یہ ماجرا دیکھ کر ابوجہل نے کہا: ''یہ بات رات کو طے کی گئی ہے اور اس کا مشورہ کہیں اور کیا گیا ہے۔''

اس دوران ابو طالب بھی مسجد کے ایک گوشے میں موجود تھے۔ وہ یہ بتلانے آئے تھے کہ نبی ﷺ نے انھیں خبر دی ہے کہ اللہ نے ان کے صحیفے پر دیمک مسلط کر دی ہے، جس نے ظلم وجور اور قطع رحمی کی ساری باتیں چٹ کر لی ہیں، صرف اللہ کا ذکر باقی چھوڑا ہے۔ اب اگر وہ جھوٹے ہیں تو ہم تمھارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جاتے ہیں اور اگر سچے ہیں تو تم ہمارے بائیکاٹ اور ظلم سے باز آؤ۔ قریش نے کہا: ''آپ انصاف کی بات کہہ رہے ہیں۔''

تین سال گزر گئے آپ ابھی شعب ابی طالب میں

ادھر مطعم بن عدی ابو جہل کا جواب دینے کے بعد اٹھا کہ صحیفہ چاک کرے تو کیا دیکھتا ہے کہ واقعی اسے کیڑوں نے کھالیا ہے۔ صرف «بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ» اور جہاں جہاں ''اللہ'' کا نام تھا، وہی باقی بچا ہے، لہٰذا نبی ﷺ نے جو خبر دی تھی، وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی، جسے مشرکین نے اپنی آنکھوں سے دیکھا لیکن وہ اپنی گمراہی کے رویے پر برقرار رہے۔ بہرحال بائیکاٹ ختم ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی گھاٹی سے باہر نکل آئے۔[1]

قریش کا وفد ابو طالب کے حضور بائیکاٹ کے خاتمے کے بعد صورت حال معمول پر آ گئی لیکن ابھی چند ہی مہینے گزرے تھے کہ ابو طالب بیمار پڑ گئے اور بیماری دن بہ دن بڑھتی اور سخت ہوتی گئی۔ عمر بھی اسی برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ قریش نے محسوس کیا کہ وہ اس مرض سے جانبر نہ ہو سکیں گے، لہٰذا آپس میں مشورے کیے اور طے کیا کہ ابو طالب کے پاس چلیں، کہ وہ اپنے بھتیجے کو کسی بات کا پابند کر جائیں اور ہم سے بھی اس کے متعلق عہد لے لیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ اگر بوڑھا مر گیا اور ہم نے محمد ﷺ کے ساتھ کچھ کیا تو عرب ہمیں طعنہ دیں گے۔ کہیں گے کہ اسے چھوڑے رکھا، جب اس کا چچا مر گیا تو اس پر چڑھ دوڑے، چنانچہ یہ لوگ اٹھے اور ابو طالب کے پاس پہنچے اور ان سے مطالبہ کیا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو ان کے معبودوں (کی مذمت) سے روکیں اِدھر ہم لوگ بھی آپ سے اور آپ کے معبود سے دست کش رہیں گے۔ اس پر ابو طالب نے آپ کو بلایا اور لوگوں نے جو بات کہی تھی، وہ پیش کی۔ آپ نے فرمایا:

«يَا عَمِّ! إِنِّي أُرِيدُهُمْ عَلٰى كَلِمَةٍ وَّاحِدَةٍ يَقُولُونَهَا، تَدِينُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ، وَ تُؤَدِّي إِلَيْهِمُ الْعَجَمُ الْجِزْيَةَ»

''چچا! میں ان سے صرف ایک بات چاہتا ہوں جس کے یہ قائل ہو جائیں تو عرب ان کے تابع فرمان بن جائیں اور عجم انھیں جزیہ ادا کریں۔''

[1] سیرت ابن ہشام 1/:377,374,351,350، وزاد المعاد:2/46 وغیرہ۔

یہ سن کر وہ سٹپٹا گئے، کہنے لگے: صرف ایک بات، تیرے باپ کی قسم! ہم ایسی دس باتیں ماننے کو تیار ہیں۔ وہ بات کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اس پر وہ اپنے کپڑے جھاڑ کر یہ کہتے ہوئے اٹھ گئے:

﴿أَجَعَلَ الْأٰلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝﴾

"کیا اس نے سارے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا ڈالا۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔"①

غم کا سال

ابو طالب کی وفات ابو طالب کا مرض بڑھتا گیا، یہاں تک کہ وقتِ رحلت آ گیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو وہاں ابو جہل اور عبد اللہ بن ابو امیہ موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَيْ عَمِّ! قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ»

"چچا جان! "لا الٰہ الا اللہ" کہہ دیجیے۔ بس ایک کلمہ۔ اس کے ذریعے سے میں اللہ کے حضور آپ کے لیے حجت پیش کروں گا۔"

ان دونوں نے کہا: "ابو طالب! کیا عبد المطلب کی ملت سے اعراض کرو گے۔ اور ان سے برابر باتیں کرتے رہے، یہاں تک کہ آخری بات جو انھوں نے کہی یہ کہی کہ "عبد المطلب کی ملت پر۔" پھر اسی پر ان کا انتقال ہو گیا۔

نبی ﷺ نے فرمایا: «لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْهُ»

"جب تک (اللہ کی طرف سے) روکا نہ گیا میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا

① صٓ 5:38، وسیرت ابن ہشام: 1/419,417، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة صٓ، حديث: 3232 (5/341) ومسند أبي يعلى، حديث: 2583، (4/456) وتفسير ابن جرير: 12/22/149، سورة ص، آيت: 1-7.

رہوں گا۔‘‘ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝﴾

’’نبی اور اہل ایمان کے لیے درست نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے دعائے مغفرت کریں، اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ جبکہ ان پر واضح ہو چکا ہے کہ وہ جہنمی ہیں۔‘‘[1]

اور یہ آیت بھی نازل ہوئی: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾

’’ایسا نہیں کہ آپ جسے پسند کریں اُسے ہدایت دیدیں۔‘‘[2]

ان کی وفات رجب یا رمضان سنہ 10 نبوت میں شعب ابی طالب سے نکلنے کے چھ یا آٹھ ماہ بعد ہوئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے محافظ، بازو اور ایسا قلعہ تھے جہاں مکہ کے بڑوں اور بیوقوفوں کے حملوں سے بچاؤ کے لیے اسلامی دعوت نے پناہ لے رکھی تھی مگر وہ خود باپ دادا کی ملت پر قائم رہے، اس لیے پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ اپنے چچا کے کیا کام آ سکے۔ جبکہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے (دوسروں پر) بگڑتے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِّنَ النَّارِ، وَلَوْ لَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ»

’’وہ جہنم کی ایک اتھلی (سطحی) جگہ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے گہرے کھڈ میں ہوتے۔‘‘[3]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رحمتِ الٰہی کے جوار میں: ابو طالب کی وفات پر نبی ﷺ کا غم ابھی

[1] التوبہ 9:113. [2] القصص 28:56، وصحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب، حديث:3884، نیز 1360و4675و4772و6681. [3] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب قصة أبي طالب، حديث:3883.

زائل نہ ہوا تھا کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی وفات پا گئیں۔ ان کی وفات ابو طالب کی وفات کے دو مہینے یا صرف تین دن بعد رمضان سنہ 10 نبوت میں ہوئی۔[1] وہ اسلامی کاز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وزیرۂ صادقہ تھیں۔ انھوں نے تبلیغِ رسالت میں آپ کو قوت پہنچائی، جان و مال سے آپ کی غمگساری کی اور اذیت و غم میں برابر کی شریک رہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

آمَنَتْ بِي حِينَ كَفَرَ بِي النَّاسُ، وَ صَدَّقَتْنِي حِينَ كَذَّبَنِي النَّاسُ، وَ أَشْرَكَتْنِي فِي مَالِهَا حِينَ حَرَمَنِي النَّاسُ، وَ رَزَقَنِي اللّٰهُ وَلَدَهَا وَ حَرَمَ وَلَدَ غَيْرِهَا»

''جس وقت لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا، وہ مجھ پر ایمان لائیں۔ جس وقت لوگوں نے مجھے جھٹلایا، انھوں نے میری تصدیق کی۔ جس وقت لوگوں نے مجھے محروم کیا، انھوں نے مجھے مال میں شریک کیا اور اللہ نے مجھے ان سے اولاد دی اور دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی۔''[2]

ان کے فضائل میں آتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

''یا رسول اللہ! یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آرہی ہیں، ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں سالن، یا کھانا پانی ہے، جب وہ آپ کے پاس آجائیں تو آپ انھیں ان کے رب کی طرف سے سلام کہیں اور جنت میں موتی کے ایک محل کی خوشخبری دیں جس میں نہ شور و شغب ہوگا، نہ درماندگی و تکان۔''[3]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرماتے، ان کے لیے دعائے رحمت کرتے اور جب ان کا ذکر فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہو جاتی۔ بکری ذبح کرتے تو ان کی سہیلیوں میں گوشت بھجواتے۔ ان کے بڑے فضائل ومناقب ہیں۔

[1] تلقیح، ص: 7 وغیرہ. [2] مسند أحمد: 118/6. [3] صحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب تزویج النبي ﷺ خدیجة......، حدیث: 3820.

غم ہی غم ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نبی ﷺ پر مصائب کا تانتا بندھ گیا۔ ایک طرف مشرکین کی جسارت بڑھ گئی اور وہ کھل کر اذیت پہنچانے لگے۔ دوسری طرف نبی ﷺ ہر واقعے سے شدت کے ساتھ متاثر ہونے لگے، چاہے وہ پچھلے واقعات سے چھوٹا اور معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ قریش کے ایک ظالم نے آپ کے سر پر مٹی ڈال دی جسے آپ کی ایک صاحبزادی دھوتے ہوئے روتی جارہی تھیں تو آپ نے ان سے کہا: «لَا تَبْكِي يَا بُنَيَّةُ! فَإِنَّ اللّٰهَ مَانِعٌ أَبَاكَ»

"بیٹی! نہ رو۔ اللہ تمھارے باپ کی حفاظت کرے گا۔"

اور اسی دوران آپ یہ بھی فرماتے جارہے تھے:

«مَا نَالَتْ قُرَيْشٌ مِنِّي شَيْئًا أَكْرَهُهُ حَتّٰى مَاتَ أَبُو طَالِبٍ»

"قریش نے میرے ساتھ کوئی ایسی بدسلوکی نہ کی جو مجھے ناگوار گزری ہو، یہاں تک کہ ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔"[1]

حضرت سودہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تقریباً ایک ماہ بعد شوال سنہ 10 نبوت میں نبی ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ وہ پہلے اپنے چچیرے بھائی حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔ یہ دونوں سابقین اولین میں سے تھے۔ حبشہ کو ہجرت کی تھی، پھر مکہ پلٹ آئے تھے۔ مکہ ہی میں سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو نبی ﷺ نے شادی کر لی۔ چند سال بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی۔[2]

اس کے ایک سال بعد شوال سنہ 11 نبوت میں آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ یہ شادی بھی مکہ ہی میں ہوئی۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال تھی۔

[1] سیرت ابن ہشام: 416/1. [2] تلقیح، ص:7، وصحيح البخاري، الهبة، باب هبة المرأة لغير زوجها......، حديث:2593.

تین سال بعد مدینہ پہنچ کر شوال سنہ 1 ہجری میں انھیں رخصت کیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر نو برس تھی۔[1] یہ نبی ﷺ کی سب سے محبوب بیوی اور امت کی سب سے فقیہ خاتون تھیں۔ ان کے بڑے فضائل ومناقب ہیں۔

رسول اللہ ﷺ طائف میں

ان حالات میں نبی ﷺ نے طائف کا قصد فرمایا کہ ممکن ہے وہاں کے لوگ آپ کی دعوت قبول کر لیں یا آپ کو پناہ دیں اور آپ کی مدد کریں، چنانچہ آپ ﷺ طائف کے لیے پیدل چل کھڑے ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے۔ راستے میں جس کسی قبیلے سے گزر ہوتا، اسے اسلام کی دعوت دیتے۔ یوں طائف پہنچے اور قبیلہ ثقیف کے تین سرداروں کا جو آپس میں بھائی تھے، قصد فرمایا۔ انھیں اسلام کی دعوت دی اور تبلیغ اسلام پر اپنی مدد چاہی مگر انھوں نے اسے منظور نہ کیا بلکہ بہت بُرا جواب دیا۔ آپ نے انھیں چھوڑ کر دوسروں کا قصد کیا اور انھیں بھی اسلام لانے اور اپنی مدد کرنے کی دعوت دی۔ اس مقصد کے لیے ایک ایک سردار کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک سے گفتگو کی اور اس کام میں دس دن گزار دیے لیکن کسی نے آپ کی بات نہ مانی بلکہ یہ کہا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ اور اپنے بچوں، اوباشوں اور غلاموں کو شہ دے دی، چنانچہ جب آپ ﷺ نے واپسی کا قصد فرمایا تو انھوں نے آپ کے دونوں جانب لائن لگا کر گالیاں دینی اور بد زبانیاں کرنی شروع کیں، پھر پتھر برسانے لگے، جس سے آپ کی ایڑیاں اور پاؤں زخمی ہو گئے۔ جوتے خون سے تر ہو گئے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو آپ کو بچا رہے تھے ان کے سر پر کئی زخم آئے اور سفا کی کا یہ سلسلہ یہاں تک جاری رہا کہ آپ کو عتبہ اور شیبہ فرزندانِ ربیعہ کے ایک باغ میں پناہ لینی پڑی۔ یہ باغ طائف سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ جب آپ اس باغ میں داخل ہوئے تو بھیڑ واپس چلی گئی۔

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب تزويج النبي ﷺ عائشة، حديث:3894.

نبی ﷺ باغ کے اندر ایک دیوار سے ٹیک لگا کر انگور کی ایک بیل کے سائے میں بیٹھ گئے۔ جو کچھ پیش آیا تھا، اس سے دل فگار تھے، چنانچہ آپ نے ایک رقت انگیز دعا فرمائی جو "دعائے مستضعفین" کے نام سے مشہور ہے اور وہ یہ ہے:

«اَللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُو ضُعْفَ قُوَّتِي، وَ قِلَّةَ حِيلَتِي، وَ هَوَانِي عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّحِمِينَ! أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِينَ، وَ أَنْتَ رَبِّي، إِلٰى مَنْ تَكِلُنِي؟ إِلٰى بَعِيدٍ يَتَجَهَّمُنِي، أَمْ إِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ أَمْرِي؟ إِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِي، وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ أَوْسَعُ لِي، أَعُوذُ بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَ صَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، مِنْ أَنْ يَنْزِلَ بِي غَضَبُكَ، أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ»

"بار الٰہی! میں تجھ ہی سے اپنی کمزوری و بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے۔ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے، یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں ہے تو کوئی پروا نہیں لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس پر دنیا اور آخرت کے معاملات درست ہوئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔"

ادھر ربیعہ کے بیٹوں نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو ان دونوں کو ترس آ گیا اور اپنے ایک عیسائی غلام عداس کے ہاتھ آپ کو انگور کا خوشہ بھیج دیا۔ نبی ﷺ نے "بسم اللہ"

کہہ کر لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کھایا۔ اس پر عداس نے کہا: اس علاقے کے لوگ تو یہ کلمہ نہیں بولتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مِنْ أَيِّ الْبِلَادِ أَنْتَ؟ وَمَا دِينُكَ؟»

''تم کس علاقے سے ہو اور تمھارا دین کیا ہے؟''

عداس نے کہا: ''نصرانی ہوں۔ اور نینویٰ کا باشندہ۔'' آپ نے فرمایا:

«مِنْ قَرْيَةِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ يُونُسَ بْنِ مَتّٰى»

''مردِ صالح یونس بن متّٰی کی بستی کے۔''

اس نے کہا: ''آپ کو کیا معلوم یونس بن متّٰی کون ہیں؟'' آپ نے فرمایا:

«ذَاكَ أَخِي، كَانَ نَبِيًّا وَّ أَنَا نَبِيٌّ»

''وہ میرے بھائی ہیں، وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔''

اور قرآن مجید سے یونس بن متّٰی کا واقعہ تلاوت فرمایا۔[1] کہا جاتا ہے کہ اسے سن کر عداس مسلمان ہو گئے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ باغ سے نکلے اور مکے کی راہ پر آگے بڑھے۔ آپ غم والم سے دل فگار تھے۔ ''قرنِ مَنازِل'' پہنچے تو ایک بادل نے سایہ کیا، جس میں حضرت جبریل علیہ السلام تھے اور ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ تھا۔ آپ ﷺ نے سر اٹھایا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پکارا اور عرض کیا کہ ''اللہ نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے، آپ اسے جو چاہیں حکم دیں۔ اس کے بعد پہاڑوں کے فرشتے نے سلام کیا اور کہا: ''اے محمد! بات یہی ہے، اب آپ جو چاہیں۔ اگر چاہیں تو میں انھیں دو پہاڑوں کے درمیان پیس دوں۔ یہاں دو پہاڑوں کے لیے ''أَخْشَبَيْن'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جو مکہ کے دو پہاڑ ابوقبیس اور اس کے سامنے والے پہاڑ کے لیے بولا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] سیرت ابن ہشام: 421,419/1.

«بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»

''امید ہے کہ اللہ عزوجل ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔''[1]

یہ مدد آئی تو رسول اللہ ﷺ کے دِل سے غم والم کے بادل چھٹ گئے۔ آپ نے مکے کے راستے پر مزید پیش رفت فرمائی تا آنکہ نخلہ میں جا فروکش ہوئے اور وہیں چند دن قیام فرمایا۔ اس دوران اللہ نے آپ کے پاس جنوں کی ایک جماعت بھیجی۔ اس وقت آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس جماعت نے قرآن سنا اور جب قرآن کی تلاوت ختم ہوگئی تو یہ اپنی قوم کے پاس عذابِ الٰہی سے ڈرانے والی بن کر واپس گئی کیونکہ یہ ایمان لا چکی تھی لیکن رسول اللہ ﷺ کو اس کے متعلق کچھ علم نہ ہوا، یہاں تک کہ اسبارے میں قرآن نازل ہوا۔ چند آیتیں سورۂ احقاف کی اور چند آیتیں سورۂ جن کی۔[2]

چند روز بعد رسول اللہ ﷺ نخلہ سے نکل کر مکہ روانہ ہوئے۔ آپ کو اللہ کی طرف سے کشادگی وفراخی کی امید تھی اور قریش کی طرف سے شر اور گرفت کا اندیشہ بھی، اس لیے آپ نے احتیاط پسند کی، چنانچہ مکے کے قریب پہنچ کر حرا میں ٹھہر گئے اور اخنس بن شریق کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ وہ آپ کو پناہ دے دے مگر اس نے یہ معذرت کی کہ وہ حلیف ہے اور حلیف پناہ نہیں دے سکتا، پھر آپ نے سہیل بن عمرو کے پاس یہی پیغام بھیجا مگر اس نے بھی یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ اس کا تعلق بنو عامر بن لؤی سے ہے اور ان کی پناہ بنو کعب بن لؤی پر لاگو نہیں ہوتی۔ اب آپ نے مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا۔ مطعم کا دادا نوفل بن عبدمناف، نبی ﷺ کے جدّ اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کا بھائی تھا اور عبد مناف قبیلہ

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب إذا قال أحدكم، آمين والملائكة في السماء......، حديث:3231، وصحيح مسلم، الجهاد، باب مالقي النبيﷺ من أذى المشركين و المنافقين، حديث:1790.
[2] صحيح البخاري، الأذان، باب الجهر بقراءة صلاة الصبح، حديث:773.

قریش کی سب سے معزز شاخ تھی، چنانچہ مطعم نے جواب میں ہاں کہی اور خود اس نے اور اس کے بیٹوں نے ہتھیار بند ہو کر رسول اللہ ﷺ کو بلوا بھیجا۔ آپ تشریف لائے اور مسجد حرام میں داخل ہو کر پہلے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی، پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اس دوران مُطعم بن عدی اور اس کی اولاد نے مسلح ہو کر رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھیرے میں لیے رکھا اور مطعم نے قریش میں اعلان کیا کہ اس نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے رکھی ہے اور قریش نے اس کی اس پناہ کو منظور کیا۔[1]

مشرکین کی طرف سے نشانیوں کی طلب

مشرکین کے تقاضوں میں ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ عاجز کرنے کے لیے عناد کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے نشانیاں طلب کرتے تھے اور مختلف اوقات میں کئی بار انھوں نے یہ مطالبہ کیا، چنانچہ ایک بار وہ مسجد حرام میں جمع ہوئے، باہم مشورہ کیا، پھر نبی ﷺ کو بلا بھیجا کہ آپ کی قوم کے اشراف آپ سے بات کرنے کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں۔ چونکہ نبی ﷺ ان کی رشد و ہدایت کے بہت زیادہ خواہشمند تھے، جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝﴾

”اگر وہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائے تو شاید آپ ان کی خاطر اپنے آپ کو افسوس کے سبب ہلاک کر ڈالیں گے۔“[2]

چنانچہ آپ ﷺ ان کے اسلام لانے کی امید باندھے جلدی سے تشریف لائے۔ انھوں نے کہا: ”آپ ہمیں بتلاتے ہیں کہ پیغمبروں کے پاس نشانیاں تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے لاٹھی اور صالح علیہ السلام کے لیے اونٹنی تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ تو جس طرح پہلے لوگوں کو نشانیوں کے ساتھ بھیجا گیا تھا آپ بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لائیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ پیغمبروں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ جب چاہیں اس طرح کے خرقِ عادت

[1] سیرت ابن ہشام: 381/1، وزاد المعاد: 47,46/2. [2] الکہف 6:18.

معجزات لانے پر اسی طرح قدرت رکھتے ہیں، جس طرح عام لوگ اپنے طبعی اعمال پر قدرت رکھتے ہیں۔[1] چنانچہ انھوں نے اس مذکورہ مطالبے کے ساتھ ہی یہ تجویز بھی پیش کی کہ آپ صفا پہاڑ کو سونا بنا دیں یا پہاڑوں کو کہیں اور لے جائیں اور اس علاقے کو ہموار زمین میں تبدیل کر دیں اور اس میں نہر جاری کر دیں یا ہمارے جو آباء واجداد گزر چکے ہیں انھیں زندہ کر دیں تاکہ وہ شہادت دیں کہ آپ رسول ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا ○ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ○ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ○ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ۖ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ۗ﴾

''اور انھوں نے کہا: ہم آپ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے، یہاں تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دیں، یا آپ کے لیے کھجور اور انگور کا باغ ہو جس کے درمیان آپ نہریں بہا دیں، یا جیسا کہ آپ کہتے ہیں ہمارے اوپر آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دیں، یا اللہ اور فرشتوں کو (ہمارے) روبرو حاضر کر دیں، یا آپ کے لیے سونے کا گھر ہو، یا آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم محض آپ کے چڑھنے کو بھی تسلیم نہیں کریں گے، یہاں تک کہ آپ ہم پر ایک کتاب اتاریں جسے ہم پڑھیں۔''[2]

انھوں نے اس مطالبے کے ساتھ یہ بھی واضح کیا کہ اگر نبی ﷺ ان کی یہ خواہش پوری کر دیں تو وہ اسلام لانے کے لیے تیار ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ﴾

''انھوں نے اپنی بھرپور قسموں کے ساتھ اللہ کی یہ قسم کھائی کہ اگر ان کے پاس کوئی

[1] جیسا کہ اولیاء کے بارے میں آج بھی لوگوں کا یہی عقیدہ ہے۔ [2] بنیٓ إسرآء یل 17:90-93.

نشانی آ گئی تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے۔“[1]

چنانچہ نبی ﷺ نے اللہ سے دعا کی کہ یہ جو طلب کر رہے ہیں، وہ دکھلا دے۔ آپ کو اُمید تھی کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ کو یہ اختیار دیا کہ آپ ایک بات چن لیں۔ جو کچھ یہ لوگ طلب کرتے ہیں انھیں دکھلا دیا جائے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کے بعد اگر کسی نے کفر کیا تو اسے ایسا عذاب دیا جائے گا کہ پوری دنیا والوں میں سے کسی کو اس جیسا عذاب نہیں دیا جائے گا یا پھر ان کے لیے توبہ ورحمت کا دروازہ کھول دیا جائے (اور ان کی مطلوبہ چیز نہ دکھائی جائے) آپ نے فرمایا:

«بَلْ بَابَ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ» ”توبہ اور رحمت کا دروازہ ہی کھولا جائے۔“[2]

جب نبی ﷺ نے یہ پہلو اختیار کر لیا تو ان کی تجاویز کا جواب نازل ہوا۔

﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۝﴾

”آپ کہہ دیں میرا رب پاک ہے، میں تو اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک بشر رسول ہوں۔“[3]

مطلب یہ ہے کہ میں خوارق اور معجزات دِکھانے پر قادر نہیں ہوں کیونکہ اس کی قدرت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور وہ اس بات سے پاک ہے کہ اس کی قدرت میں کوئی اس کا شریک ہو اور میں تو محض تم جیسا بشر ہوں، لہٰذا مجھے معجزات دکھانے کی قدرت نہیں۔ ہاں تمھارے درمیان مجھے جو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ میں رسول ہوں۔ میرے پاس وحی آتی ہے اور تم لوگ نہ رسول ہو، نہ تمھارے پاس وحی آتی ہے۔ پس جو نشانیاں تم لوگوں نے مجھ سے طلب کی ہیں نہ وہ میرے ہاتھ میں ہیں، نہ میرے اختیار میں بلکہ ان کا معاملہ اللہ عزوجل کی طرف ہے۔ اگر وہ چاہے تو انھیں تمھارے لیے ظاہر فرما دے اور ان کے ذریعے سے تمھارے درمیان میری تائید کر دے اور اگر چاہے تو انھیں مؤخر کر دے اور تم لوگوں کی بہتری و مصلحت بہرحال اسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی مطلب کی سورۂ انعام

[1] الأنعام 109:6. [2] مسند أحمد: 345,242/1. [3] بنی إسرآءیل 93:17.

میں بھی تاکید کی۔ فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾

"آپ کہہ دیں کہ نشانیاں تو بس اللہ کے پاس ہیں اور تمھیں کیا خبر کہ جب وہ آجائیں گی تو یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔"[1]

یعنی انبیاء ورسل، خوارق ومعجزات برپا نہیں کرتے بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ برپا کرتا ہے، البتہ وہ انبیاء ورسل کی تکریم وتائید اور ان کی نبوت ورسالت کے اثبات کے لیے ان کے ہاتھ پر معجزات کا اظہار فرماتا ہے۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ بات بیان فرمائی کہ یہ لوگ اگرچہ اپنی پوری قوت کے ساتھ قسم کھاتے ہیں کہ اگر انھوں نے نشانی دیکھ لی تو ضرور ایمان لائیں گے، حالانکہ اگر اللہ ان کو ان کی طلب کردہ نشانیاں دکھلا بھی دے تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝﴾

"اگر ہم ان کے پاس فرشتے اتار دیں اور ان سے مُردے باتیں کریں اور ہم ان کے روبرو ہر چیز اکٹھی کر لائیں تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔"[2] اور فرمایا:

﴿وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ﴾

"اور اگر کوئی ایسا قرآن ہوتا کہ جس سے پہاڑ چلائے جاتے یا جس سے زمین کاٹ دی جاتی یا جس کے ذریعے سے مُردوں سے کلام کیا جاتا (تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے) حقیقت یہ ہے کہ سارے معاملات اللہ ہی کے اختیار میں

[1] الأنعام 109:6. [2] الأنعام 111:6

ہیں۔ کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں انھوں نے (ابھی تک) یہ نہیں جانا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت دیتا۔"[1]

ان آیات اور ان جیسی دیگر آیات میں اللہ نے اپنی ایک سنت کی طرف اشارہ فرمایا ہے: "کوئی قوم جب کوئی معین نشانی طلب کرے اور وہ نشانی دکھلا دی جائے، پھر بھی ایمان نہ لائے تو پھر اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے اور مہلت نہیں دی جاتی اور اللہ کی سنت میں تغیر وتبدل نہیں ہے اور اللہ کو معلوم ہے کہ بیشتر قریش نشانی دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے، اس لیے اللہ نے ان کی تجویز کردہ نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں دکھلائی۔"

شق القمر (چاند کا دو ٹکڑے ہونا) جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طلب کردہ مخصوص نشانیوں میں سے کوئی بھی نشانی پیش نہیں کی تو انھوں نے سمجھا کہ آپ کو عاجز اور خاموش کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ آپ سے نشانی طلب کی جائے۔ اس سے عوام کو بھی باور کرایا جا سکتا ہے کہ آپ رسول نہیں بلکہ سخن ساز ہیں، چنانچہ انھوں نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور طے کیا کہ آپ سے بلا تعین کوئی بھی نشانی طلب کی جائے تاکہ لوگوں پر آپ کی بے بسی واضح ہو جائے اور وہ آپ پر ایمان نہ لائیں، چنانچہ وہ لوگ آپ کے پاس آئے اور کہا:

"آخر کوئی نشانی بھی ہے جس سے ہم جان سکیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے سوال کیا کہ انھیں کوئی بھی نشانی دکھلا دیں، چنانچہ اللہ نے یہ نشانی دکھلائی کہ "چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔" ایک ٹکڑا جبل ابو قُبَیس کے اوپر اور ایک اس سے نیچے، یہاں تک کہ لوگوں نے حرا پہاڑ کو دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِشْهَدُوا» "گواہ رہو۔"![2]

قریش نے یہ نشانی کھلم کھلا واضح طور پر طویل دورانیے تک دیکھی، چنانچہ ان کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے اور وہ بھونچکا رہ گئے لیکن ایمان نہیں لائے۔ کہنے لگے:

[1] الرعد 31:13. [2] صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾، حدیث:4864.

''یہ ابو کبشہ کے بیٹے کا جادو ہے۔ ہم پر محمد نے جادو کر دیا ہے۔''

ایک آدمی نے کہا: ''اگر اس نے تم پر جادو کر دیا ہے تو سارے لوگوں پر نہیں کر سکتا، مسافروں کا انتظار کرو۔'' مسافر آئے، ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ ''ہاں! ہم نے بھی دیکھا ہے۔''[1] لیکن قریش اپنے کفر پر مصر رہے اور اپنی خواہشات ہی کی پیروی کی۔ اور غالباً ''شق قمر'' کا یہ واقعہ اس سے بھی بڑے اور اہم واقعے ''اسراء ومعراج'' کی تمہید تھا کیونکہ یوں کھلی آنکھوں چاند کو پھٹا دیکھ لینے سے ''اسراء ومعراج'' کا امکان بھی عام ذہن کے لیے قابل قبول ہوسکتا ہے۔ واللہ أعلم.

اسراء اور معراج

''اسراء'' سے مراد ہے: ''راتوں رات نبی ﷺ کا مکہ سے بیت المقدس تشریف لے جانا'' اور ''معراج'' سے مراد ہے ''عالم بالا میں تشریف لے جانا۔'' یہ واقعہ جسم اور روح سمیت پیش آیا تھا۔ ''اسراء'' کا ذکر قرآن مجید میں اللہ کے اس ارشاد میں آتا ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○﴾

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی جس کے گرد ہم نے برکت دے رکھی ہے تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھلائیں۔ بے شک وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔''[2]

''معراج'' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ''سورۂ نجم'' کی ساتویں آیت سے لے کر اٹھارہویں آیت تک میں مذکور ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان آیات میں جو کچھ مذکور ہے، وہ ''معراج'' کے ماسوا ہے۔

① تفسیر ابن جریر: 13-112/27، وابن کثیر: 334/4، والدر المنثور: 176/6، آیت نمبر: 1، سورۃ القمر. ② بنی إسراءیل 1:17.

اسراء اور معراج کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جس سال آپ کی بعثت ہوئی، اسی سال یہ واقعہ پیش آیا۔ ایک قول یہ ہے کہ سنہ 5 نبوت میں۔ ایک قول یہ ہے کہ 27 رجب سنہ 10 نبوت میں۔ ایک قول یہ ہے کہ 17 رمضان سنہ 12 نبوت میں۔ ایک قول یہ ہے کہ محرم میں اور ایک قول یہ ہے کہ 17 ربیع الاول سنہ 13 نبوت میں[1] واقعے کی تفصیل کے متعلق صحیح روایات کا خلاصہ یہ ہے:

- ”حضرت جبریل علیہ السلام براق لے کر تشریف لائے۔ یہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ایک جانور ہے جو اپنا کھر اپنی نگاہ کے آخری مقام پر رکھتا ہے۔ اس وقت نبی ﷺ مسجد حرام میں تھے۔ آپ اس جانور پر سوار ہو کر حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں بیت المقدس تشریف لائے اور وہاں جس حلقے میں انبیاء اپنی سواریاں باندھتے تھے، اسی میں براق کو باندھ دیا، پھر مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور اس میں انبیاء کی امامت فرمائی، پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس تین برتن لائے۔ ایک شراب کا دوسرا دودھ کا اور تیسرا شہد کا،[2] آپ نے دودھ پسند فرمایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: ”آپ نے فطرت پائی، آپ کو بھی ہدایت نصیب ہوئی اور آپ کی امت کو بھی۔ اگر آپ نے شراب پسند فرمائی ہوتی تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔“

- اس کے بعد آپ ﷺ کو بیت المقدس سے آسمانِ دنیا تک لے جایا گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ آپ کے لیے دروازہ کھولا گیا۔ آپ نے وہاں انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کیا انھوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ ان کے دائیں ایک گروہ تھا جب انھیں دیکھتے تو مسکراتے۔ یہ سعادت مندوں کی روحیں تھیں اور ان کے بائیں ایک گروہ تھا، جب انھیں دیکھتے تو روتے۔ یہ بدبختوں کی روحیں تھیں۔

[1] اختلاف اس سے بھی زیادہ ہیں۔ دیکھیے فتح الباري: 242/7، طبع دوم سلفیہ، شرح باب المعراج، نیز زادالمعاد: 49/2. [2] مسند أحمد: 208/4.

* پھر آپ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ آپ کے لیے دروازہ کھولا گیا۔ آپ نے اس میں دو خالہ زاد بھائیوں حضرت یحییٰ بن زکریا اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کیا۔ دونوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور نبوت کا اقرار کیا۔
* پھر تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا، انھیں آدھا حسن دیا گیا تھا۔ آپ نے انھیں بھی سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔
* پھر آپ کو چوتھے آسمان پر لے جایا گیا، وہاں حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔
* پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا، وہاں ہارون علیہ السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔
* پھر آپ کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا، پھر جب آپ وہاں سے آگے بڑھے تو وہ رونے لگے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انھوں نے کہا: ”میں اس لیے رو رہا ہوں کہ ایک جوان میرے بعد مبعوث کیا گیا۔ اس کی امت میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت کے اندر داخل ہوگی۔“

اس کے بعد ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ وہ اپنی پشت بیت المعمور سے لگائے ہوئے تھے، جس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور دوبارہ ان کے پلٹنے کی باری نہیں آتی۔

* پھر آپ کو ”سدرۃ المنتہیٰ“ تک لے جایا گیا۔ اس کے پتے ہاتھی کے کان جیسے تھے اور

پھل بڑے کونڈوں یا ٹھلیوں جیسے، پھر اس پر سونے کے پتنگے چھا گئے اور اللہ کے حکم میں سے جو کچھ چھانا تھا، چھا گیا۔ اس سے وہ سدرہ (بیری کا درخت) تبدیل ہو کر اتنا خوبصورت ہو گیا کہ اللہ کی کوئی مخلوق اس کا حسن بیان کرنے کی تاب نہیں رکھتی۔»

پھر آپ کو "جبار جل جلالہ" کے حضور لے جایا گیا اور آپ اس کے اتنے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت اللہ نے اپنے بندے پر وحی فرمائی اور آپ پر اور آپ کی امت پر دن رات میں پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں، پھر آپ موسیٰ علیہ السلام کے قریب سے گزرے تو انھوں نے پوچھا: "آپ کے رب نے آپ کو کس بات کا حکم دیا ہے۔" آپ نے فرمایا:

«بِخَمْسِينَ صَلَاةً» "پچاس نمازوں کا۔"

انھوں نے کہا: "آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور اس سے تخفیف کا سوال کیجیے۔" آپ نے جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ انھوں نے اشارہ کیا کہ ہاں، اگر آپ چاہیں، چنانچہ آپ واپس ہوئے، اللہ نے پھر دس نمازیں کم کر دیں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انھوں نے پھر پوچھا۔ آپ نے بتلایا تو انھوں نے پھر تخفیف کے سوال کا مشورہ دیا۔ یوں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ جل جلالہ کے درمیان آپ کی آمد ورفت جاری رہی، یہاں تک کہ اللہ نے پانچ نمازیں کر دیں۔ اس کے بعد آپ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انھوں نے پھر واپس جا کر تخفیف کے سوال کا مشورہ دیا اور کہا کہ میں نے اس سے کم پر بنو اسرائیل کو بلایا لیکن وہ ادا کرنے سے قاصر رہے اور اسے چھوڑ دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَدِ اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَبِّي، وَلٰكِنِّي أَرْضَى وَأُسَلِّمُ»

"اب مجھے اپنے رب سے شرم آ رہی ہے۔ میں اسی پر راضی ہوں اور سر تسلیم خم کرتا ہوں۔"

پھر جب آپ مزید کچھ دور تشریف لے گئے تو ندا آئی کہ "میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا

اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔ وہ پانچ نمازیں ہیں اور ثواب میں پچاس ہیں۔ میرے نزدیک بات نہیں بدلی جاتی۔"[1]

❊ پھر اسی رات نبی ﷺ مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے۔ جب صبح ہوئی اور آپ نے اپنی قوم کو ان بڑی بڑی نشانیوں کی خبر دی جو اللہ عزوجل نے آپ کو دکھلائی تھیں تو قوم کی تکذیب اور اذیت وضرر رسانی میں شدت آگئی۔ کسی نے تالیاں بجائیں اور کسی نے تعجب وانکار سے ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا۔ کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس دوڑے آئے اور انھیں خبر دی، انھوں نے کہا: "اگر یہ بات آپ نے کہی ہے تو سچ کہی ہے۔" لوگوں نے کہا: "اچھا! آپ بھی ان کی تصدیق کرتے ہیں۔"

انھوں نے کہا: "میں تو اس سے بھی دور کی بات پر آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔ آسمان سے صبح یا شام جو خبر آتی ہے میں اس میں بھی آپ کو سچا مانتا ہوں۔" اس پر آپ کا لقب صدیق پڑ گیا رضی اللہ عنہ۔[2]

❊ پھر کفار نے آپ کا امتحان لیا۔ پوچھا کہ آپ بیت المقدس کے اوصاف بیان کریں۔ آپ نے اس سے پہلے بیت المقدس دیکھا تھا، نہ اس رات اس کی نشانیاں ضبط کی تھیں، لیکن اللہ نے اسے آپ کے لیے روشن کر دیا اور آپ اس کی نشانیاں بتاتے گئے۔ آپ نے ایک ایک دروازہ اور ایک ایک جگہ بتلائی اور وہ آپ کی کوئی تردید نہ کر سکے بلکہ یہ کہا کہ جہاں تک اوصاف کا تعلق ہے، آپ نے بالکل ٹھیک ٹھیک بیان کیے ہیں۔[3]

❊ انھوں نے اپنے ایک قافلے کے متعلق بھی سوال کیا جو ملک شام سے آ رہا تھا۔ آپ نے اس قافلے کے اونٹوں کی تعداد، قافلے کے احوال، اس کے پہنچنے کا وقت اور جو اونٹ آگے آگے آ رہا تھا، ان سب کی خبر دی اور جیسے آپ نے بتلایا تھا ویسے ہی ہوا۔[4] لیکن ان ظالموں نے کفر ہی پر اصرار کیا۔

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب كيف فرضت الصلاة في الإسراء، حديث: 349. [2] سيرت ابن هشام: 399/1. [3] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث الإسراء، حديث: 3886.
[4] سيرت ابن هشام: 402/1.

❋ "اسراء" کی صبح حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور رسول اللہ ﷺ کو پانچوں نمازوں کی کیفیت اور ان کے اوقات سکھلائے۔ اس سے پہلے نماز صرف دو رکعت صبح اور دو رکعت شام تھی۔

قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت

جب سے اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھلم کھلا دعوت وتبلیغ کا حکم دیا تھا، آپ کا طریقہ یہ تھا کہ حج کے موسم اور عرب کے بازاروں کے ایام میں آپ قبائل کے خیموں اور ٹھکانوں پر تشریف لے جاتے اور انھیں اسلام کی دعوت دیتے تھے۔

جاہلیت میں عرب کے مشہور اور مکہ سے قریب ترین بازار تین تھے۔ عُکاظ، مجنّہ اور ذُوالمجاز۔ عُکاظ، نخلہ اور طائف کے درمیان ایک بستی تھی جہاں پہلی ذی القعدہ سے بیس ذی القعدہ تک بازار لگتا تھا۔ اس کے بعد لوگ مجنّہ منتقل ہو جاتے تھے اور وہاں ذی القعدہ کے خاتمے تک بازار لگاتے تھے۔ مجنّہ، مکہ سے نیچے وادی مَرُّ الظَّہران میں (ایک مقام کا نام) ہے۔ ذُوالمجاز، جبل عرفہ، یعنی جبل رحمت کے پیچھے ہے۔ وہاں پہلی ذی الحجہ سے آٹھ ذی الحجہ تک بازار لگتا تھا۔ اس کے بعد لوگ مناسکِ حج کی ادائیگی کے لیے فارغ ہو جاتے تھے۔

جن قبائل کو رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی اور اس مقصد کے لیے آپ نے اُن سے پناہ اور مدد چاہی، ان کے نام یہ ہیں:

بنو عامر بن صَعصَعَہ، بنو محارب بن خصفہ، بنو فزارہ، غسان اور مرہ، بنو حنیفہ، بنو سلیم، بنو عبس، بنو نصر، بنو البکاء، کندہ اور کلب، بنو الحارث بن کعب، عذرہ اور حضارمہ۔ ان میں سے کسی نے بھی آپ کی دعوت قبول نہ کی[1] لیکن ان کے جوابات اور انداز مختلف تھے۔ کسی نے بہترین جواب دیا۔ کسی نے آپ ﷺ کے بعد اپنے لیے سرداری کی شرط لگائی۔ کسی نے کہا:

[1] طبقات ابن سعد: 216/1.

”آپ کا خاندان اور قبیلہ آپ کو بہتر جانتا ہے کہ اس نے آپ کی پیروی نہیں کی۔“

کسی نے برا جواب دیا اور ان میں سے سب سے برا جواب مُسیلمہ کذاب کے گروہ بنوحنیفہ کا تھا۔ ①

ایمان کی شعاعیں مکہ سے باہر جس زمانے میں اسلامی دعوت مکہ کے اندر مشکل ترین مرحلے سے گزر رہی تھی، اللہ نے مقدر کر رکھا تھا کہ اسی زمانے میں مکہ سے باہر کچھ لوگ ایمان لائیں۔ یوں ان کی حیثیت امید کی چنگاری کی تھی، جو مایوسی کی تاریکیوں میں چمکی۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

سُوَید بن صامت رضی اللہ عنہ یہ شاعر تھے، گہری سوجھ بوجھ کے حامل اور یثرب کے باشندے۔ ان کے شرف وشعر گوئی کی وجہ سے انھیں کامل کہا جاتا تھا۔ یہ حج یا عمرہ کے لیے مکہ تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ اُنھوں نے آپ پر حکمتِ لقمان پیش کی۔ آپ نے ان پر قرآن پیش کیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ کہنے لگے یہ بہترین قول ہے، پھر وہ بُعاث کی جنگ سے پہلے اَوس وخَزرج کے درمیان ایک لڑائی میں شہید ہو گئے۔ ②

اِیاس بن معاذ رضی اللہ عنہ یہ یثرب کے باشندے تھے، نو خیز نوجوان۔ سنہ 11 نبوت کے اوائل میں اَوس کے ایک وفد کے ہمراہ مکہ تشریف لائے، جو قریش سے خزرج کے خلاف حِلف وتعاون چاہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو علم ہوا تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، انھیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ ایاس نے کہا:

”واللہ! یہ اس سے بہتر ہے، جس کے لیے آپ لوگ تشریف لائے ہیں۔“

اس پر وفد کے ایک رکن ابوالحُیسر نے بطحا کی کنکریاں اٹھا کر ایاس کے منہ پر دے ماریں اور کہا: ”یہ بات چھوڑو! یہاں ہم دوسرے مقصد سے آئے ہیں۔“

① سیرت ابن ھشام:425,424/1. ② سیرت ابن ھشام:427-424/1، والاستیعاب:677/2، وأسدالغابة:337/2.

چنانچہ وہ خاموش ہو رہے اور یثرب واپس آ کر جلد ہی وفات پا گئے۔ وفات کے وقت وہ تہلیل وتکبیر اور حمد وتسبیح کر رہے تھے، اس لیے ان کی قوم کو کوئی شبہ نہیں کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی۔[1]

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ انھیں نبی ﷺ کی بعثت کی اطلاع سوید بن صامت اور ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہما سے ملی۔ انھوں نے پتہ لگانے کے لیے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا۔ وہ گئے اور واپس آئے لیکن تسلی نہ کر سکے، چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ خود نکلے اور مکہ پہنچ کر مسجد حرام میں جا اترے۔ تقریباً ایک مہینہ مسجد حرام ہی میں رہے اور زمزم کا پانی پیتے رہے، جو کھانا اور پانی دونوں کا کام دیتا تھا لیکن جان کے ڈر سے نبی ﷺ کے متعلق کسی سے پوچھتے نہ تھے۔ بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو اپنے پیچھے پیچھے لے کر گئے اور رسول اللہ ﷺ سے جا ملوایا۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ اسلام پیش فرمائیے۔ آپ نے اسلام پیش کیا اور وہ وہیں مسلمان ہو گئے، پھر انھوں نے مسجد حرام میں آ کر اعلان کیا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

یہ سننا تھا کہ قریش ان پر ٹوٹ پڑے۔ اتنا مارا کہ ادھ مُوا کر دیا لیکن حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو بچا لیا۔ دوسرے دن آ کر پھر یہی اعلان کیا اور قریش نے پھر اتنا مارا کہ قریب المرگ ہو گئے۔ کل کی طرح آج بھی عباس رضی اللہ عنہ نے آ کر ان کو بچایا۔[2]

اس کے بعد حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ اپنی قوم بنو غفار میں واپس آ گئے اور جب نبی ﷺ نے ہجرت فرمائی تو وہ بھی مدینہ ہجرت کر آئے۔

طفیل بن عمرو دَوسی رضی اللہ عنہ یہ شاعر تھے، گہری سوجھ بوجھ کے مالک اور یمن کے قریب

[1] سیرت ابن ہشام: 428,427/1، ومسند أحمد: 427/5. [2] صحیح البخاري، المناقب، باب قصة إسلام أبي ذر الغفاري، حديث: 3522.

واقع قبیلہ دوس کے سردار۔ سنہ 11 نبوت میں مکہ تشریف لائے تو اہلِ مکہ نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور نبی ﷺ سے اس قدر ڈرایا کہ جب وہ مسجد حرام میں آئے تو کان میں روئی ٹھونس لی کہ کہیں آپ کی کوئی بات سنائی نہ پڑ جائے مگر ہوا یہ کہ اس وقت نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کی آواز ان کے کان میں پڑ ہی گئی۔ انھوں نے جو کچھ سنا بہت اچھا محسوس کیا۔ دل ہی دل میں کہنے لگے: ''میں سوجھ بوجھ رکھنے والا شاعر ہوں۔ مجھ سے بھلا، برا چھپا نہیں رہ سکتا، پھر کیوں نہ میں اس شخص کی بات سنوں اگر اچھی ہوئی تو قبول کرلوں گا، بری ہوئی تو نہیں مانوں گا۔''

چنانچہ جب نبی ﷺ گھر تشریف لائے تو وہ بھی آپ کے پیچھے ہو لیے اور گھر کے اندر آ کر آپ سے اپنا واقعہ بیان کیا اور عرض کی کہ آپ اپنا دین پیش کریں۔ آپ نے اسلام پیش کیا اور قرآن کی تلاوت کی۔ طفیل بن عمرو دوسی نے اسلام قبول کر لیا، حق کی شہادت دی اور عرض کی کہ میری قوم میں میری بات مانی جاتی ہے اور میں ان کے پاس پلٹ کر جا رہا ہوں اور انھیں اسلام کی دعوت دوں گا، لہٰذا آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے کوئی نشانی دے دے، آپ نے دعا فرمائی، چنانچہ جب وہ اپنی قوم کے قریب پہنچے تو ان کا چہرہ چراغ کی طرح روشن ہو گیا۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی، اسے چہرے کے بجائے کہیں اور منتقل کر دے، چنانچہ یہ روشنی ان کے کوڑے میں پلٹ آئی۔ جب وہ اپنی قوم میں پہنچے تو اُسے اسلام کی دعوت دی۔ والد اور بیوی نے اسلام قبول کر لیا مگر قوم نے تاخیر کی لیکن جب انھوں نے صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ ہجرت کی تو ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر یا اسی گھرانے تھے۔[1]

(2) ضماد ازدی رضی اللہ عنہ یہ یمن کے باشندے اور ازد شنوءہ قبیلے کے ایک فرد تھے۔ جھاڑ پھونک کے ذریعے سے پاگل پن دور کرنا اور جن و شیاطین بھگانا ان کا کام تھا۔ مکہ آئے تو وہاں کے احمقوں سے سنا کہ محمد ﷺ پاگل ہیں، چنانچہ وہ آپ کا علاج کرنے کے لیے آپ کے پاس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 362/2، وسيرت ابن هشام: 385,382/1.

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ، وَ نَسْتَعِينُهُ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَ مَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. أَمَّا بَعْدُ»

''ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تنہا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اما بعد......''

ضِماد نے یہ کلمات سنے تو اس قدر متاثر ہوئے کہ اُنھیں تین بار دہرانے کی آپ ﷺ سے فرمائش کی، پھر کہا: ''میں کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کی بات سن چکا ہوں لیکن میں نے آپ جیسے کلمات کہیں نہیں سنے۔ یہ تو سمندر کی اتھاہ گہرائی کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لائیے ہاتھ بڑھائیے! آپ سے اسلام پر بیعت کروں اور انھوں نے بیعت کر لی۔''[1]

[1] صحیح مسلم، الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة، حدیث :868.

باب:3

ہجرت مدینہ

مدینے میں اسلام بیرون مکہ جن ابتدائی سعادت مندوں نے اسلام قبول کیا ان میں سے اوپر بیان کیے گئے پانچ افراد کے بعد ان چھ کا تعلق مدینہ کے قبیلے خزرج سے ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:

* اسعد بن زُرارہ
* قطبہ بن عامر بن حدیدہ
* عوف بن حارث بن رفاعہ (عوف بن عفراء)
* عقبہ بن عامر بن نابی
* رافع بن مالک بن عجلان
* جابر بن عبداللہ بن رئاب

یہ لوگ سنہ 11 نبوت میں حج کے لیے آنے والوں کے ہمراہ آئے تھے۔ ادھر اہل یثرب جب کبھی یہود کو جنگ وغیرہ میں زک پہنچاتے تو ان سے سنا کرتے تھے کہ ایک نبی اس وقت بھیجا جانے والا ہے۔ اس کی بعثت کا زمانہ آن لگا ہے۔ ہم اس کی معیت میں تمھیں عاد اور ارم کی طرح قتل کر ڈالیں گے۔[1] چنانچہ یہ لوگ منیٰ کی گھاٹی میں رات کے وقت باتیں کر رہے تھے کہ وہاں سے رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ نے آواز سنی تو ان کے پاس پہنچ کر دریافت فرمایا: «مَنْ أَنْتُمْ؟» آپ کون لوگ ہیں؟

انھوں نے کہا: ''خزرج کا ایک گروہ ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَوَالِي الْيَهُودِ؟» ''یعنی یہود کے حلیف۔'' بولے ''ہاں۔'' فرمایا:

«أَفَلَا تَجْلِسُونَ أُكَلِّمُكُمْ؟»

''پھر کیوں نہ آپ حضرات بیٹھیں کچھ بات چیت کی جائے۔''

[1] سیرت ابن ہشام: 1/429 و 541 و زاد المعاد: 2/50.

انھوں نے کہا: ''کیوں نہیں۔'' چنانچہ وہ آپ کے ہمراہ بیٹھ گئے۔ آپ نے ان پر اسلام کی حقیقت واضح کی۔ قرآن کی تلاوت کی اور اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی۔ اس پر انھوں نے ایک دوسرے سے کہا:

''دیکھو! یہ تو وہی نبی معلوم ہوتے ہیں جن کے حوالے سے یہود تمھیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں، لہٰذا وہ تم پر سبقت نہ کرنے پائیں، چنانچہ انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور کہا کہ ہم اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ کسی اور قوم میں ان جیسی دشمنی نہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ آپ پر ان کو اکٹھا کر دے تو آپ سے بڑھ کر کوئی اور معزز نہ ہوگا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ اس دین کی دعوت دیں گے اور آئندہ حج میں آپ سے پھر ملاقات کریں گے۔[1]

پہلی بیعتِ عقبہ وعدے کے مطابق اگلے سال سنہ 12 نبوت کے موسم حج میں بارہ آدمی حاضر ہوئے۔ دس خزرج سے اور دو اوس سے۔ خزرج کے دس آدمیوں میں سے جابر بن عبد اللہ بن رأب کو چھوڑ کر باقی پانچ تو وہی تھے جو پچھلے سال آچکے تھے اور نئے پانچ یہ تھے:

* معاذ بن حارث (معاذ بن عفراء) * ذکوان بن عبد القیس * عبادہ بن صامت * یزید بن ثعلبہ * عباس بن عبادہ بن نضلہ، اور قبیلہ اوس کے دو آدمی یہ تھے * ابو الہیثم بن التیہان * عویم بن ساعدہ۔[2]

یہ لوگ منیٰ کی گھاٹی میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جمع ہوئے۔ آپ نے انھیں اسلام سکھایا اور فرمایا:

«تَعَالَوْا، بَايِعُونِي عَلٰى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُونِي فِي مَعْرُوفٍ، فَمَنْ وَفّٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى

[1] سیرت ابن ھشام: 430,428/1. [2] سیرت ابن ھشام: 433,431/1.

اللّٰهِ، وَ مَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا، فَعُوقِبَ بِهِ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ، وَ مَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا، فَسَتَرَهُ اللّٰهُ، فَأَمْرُهُ إِلَى اللّٰهِ، إِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ وَ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ»

''آؤ! مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے، زنا نہ کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے، من گھڑت بہتان نہ لگاؤ گے اور کسی بھلی بات میں میری نافرمانی نہ کرو گے۔ اب جس شخص نے یہ ساری باتیں پوری کیں تو اس کا اجر اللہ کے پاس ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھا اور اس دنیا ہی میں اسے اس کی سزا دے دی گئی تو یہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر بیٹھا اور اللہ نے اس پر پردہ ڈال دیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کر دے۔''[1]

اس پر ان لوگوں نے آپ سے بیعت کی۔

یثرب میں اسلام کی دعوت اس کے بعد جب یہ لوگ واپس ہوئے تو نبی ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرما دیا تاکہ وہ لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور دین سکھائیں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو امامہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا، پھر وہ دونوں اسلام کی تبلیغ کے لیے سرگرم ہو گئے۔ ایک روز دونوں ایک باغ میں تھے کہ اوس کے سردار سعد بن معاذ نے اپنے چچیرے بھائی اُسید بن حضیر سے کہا: ''ذرا جاؤ اور ان دونوں کو جو ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بنانے آئے ہیں ڈانٹ دو۔ اسید نے اپنا نیزہ لیا اور ان دونوں کے پاس آئے۔ انھیں اسعد نے دیکھا تو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے کہا:

''یہ اپنی قوم کا سردار تمھارے پاس آ رہا ہے۔ اس کے سامنے اللہ کی سچائی بیان کرو۔''

[1] صحيح البخاري، مناقب، باب وفود الأنصار إلى النبي بمكة، حديث:3893.

حضرت اسید آئے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر بولے:

''تم دونوں یہاں کیوں آئے ہو؟ ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بناتے ہو، اگر تمھیں اپنی جان پیاری ہے تو تم ہم سے الگ ہی رہو۔''

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیوں نہ آپ بیٹھیں اور سنیں۔ اگر ہماری بات پسند آئے تو مان لیں، ناگوار گزرے تو جو بات بھی آپ کو ناپسند ہو ہم اس سے رک جائیں گے۔''

انھوں نے کہا: ''تم نے انصاف کی بات کہی۔'' اور اپنا حربہ (نیزہ) گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے اسلام کی بات کی اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ حضرت اسید رضی اللہ عنہ نے دین اسلام کو پسند کیا اور اسے قبول کرلیا اور حق کی شہادت دی۔

حضرت اسید رضی اللہ عنہ واپس ہوئے اور حضرت سعد بن معاذ کو ان کے پاس بھیجنے کے لیے ایک حیلہ اختیار کیا۔ انھوں نے کہا: ''میں نے دونوں سے گفتگو کی، واللہ! مجھے تو کوئی حرج نظر نہیں آیا۔ ویسے میں نے انھیں منع کر دیا ہے اور انھوں نے کہا ہے کہ ہم وہی کریں گے جو آپ چاہیں گے، البتہ مجھے بتایا گیا ہے کہ بنو حارثہ کے لوگ اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے نکلے ہیں کیونکہ وہ آپ کی خالہ کا لڑکا ہے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ کا عہد توڑ دیں۔''

اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھڑک اٹھے اور بگڑے ہوئے ان دونوں کے پاس پہنچے۔ ان کے ساتھ بھی حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے وہی سلوک کیا جو حضرت اسید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ اللہ نے اُنھیں بھی اسلام کی ہدایت دے دی، چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے، حق کی شہادت دی، پھر قوم میں واپس گئے اور کہا:

''اے بنو عبد الاشہل! تم لوگوں کی میرے بارے میں کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا آپ ہمارے سردار ہیں اور سب سے اچھی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اچھا تو تمھارے مردوں اور عورتوں سے میری بات چیت

حرام ہے، جب تک کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لاؤ۔‘‘

نتیجہ یہ ہوا کہ شام تک کوئی بھی مرد عورت ایسا نہ تھا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو۔ صرف ایک آدمی اُصیرم تھا جس کا اسلام جنگ احد تک مؤخر ہوا۔ احد کے دن یہ اسلام لایا اور اس سے پہلے کہ اللہ کے لیے ایک سجدہ بھی کرے، اللہ کی راہ میں کام آ گیا۔

پھر اگلے موسم حج سے پہلے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اسی طرح کی کامیابی کی بشارتیں لیے ہوئے مکہ واپس تشریف لائے۔ [1]

دوسری بیعت عقبہ

موسم حج سنہ 13 نبوت میں یثرب کے بہت سے مسلمان اور مشرکین حج کے لیے آئے۔ مسلمانوں نے طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو مکہ کے پہاڑوں میں چکر کاٹتے، ٹھوکریں کھاتے اور خوف وہراس کے عالم میں نہ چھوڑیں گے، چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ سے درپردہ رابطہ کیا اور ایام تشریق کے درمیانے روز، رات کے وقت جمرۂ عقبہ کے پاس گھاٹی میں اجتماع منعقد کرنے پر اتفاق کیا۔

مقررہ دن یہ لوگ اپنی قوم کے ساتھ اپنے ڈیروں میں سو گئے اور جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر چکا تو چپکے چپکے ایک ایک دو دو آدمی نکل نکل کر عقبہ کے پاس جمع ہوئے۔ یہ کل تہتر آدمی تھے، باسٹھ خزرج کے اور گیارہ اوس کے۔ ان کے ساتھ یہ دو عورتیں بھی تھیں:

نسیبہ بنت کعب بنونجار سے اور اسماء بنت عمرو بنوسلمہ سے۔

پھر نبی ﷺ تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔ وہ ابھی تک اپنی قوم کے دین پر تھے لیکن چاہتے تھے کہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں موجود رہیں اور ان کے لیے ٹھوس اطمینان حاصل کر لیں۔

سب سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی نے بات کی۔ انھوں نے کہا:

[1] سیرت ابن ہشام :438,435/1 و 90/2، وزاد المعاد: 51/2.

''رسول اللہ ﷺ اپنی قوم اور اپنے شہر میں عزت وحفاظت کے ساتھ ہیں، لہٰذا اگر تمھارا یہ خیال ہے کہ تم انھیں جس چیز کی طرف بلا رہے ہو، اسے نبھاؤ گے اور انھیں ان کے مخالفین سے بچالو گے تو تم نے جو ذمہ داری اٹھائی ہے اسے تم جانو، ورنہ انھیں ابھی چھوڑ دو۔''

اس کے جواب میں اہلِ یثرب کے ترجمان حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے کہا:

''ہم صدق و وفا کا اور رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنی روحیں نچھاور کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، لہٰذا اے اللہ کے رسول! آپ بات کیجیے اور اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو عہد و پیمان پسند ہو لیجیے۔''[1]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی۔ آپ نے قرآن کی تلاوت کی، اللہ کی طرف دعوت دی، اسلام کی رغبت دلائی اور اپنے رب کے لیے یہ عہد لیا:

«أَنْ تَعْبُدُوهُ وَحْدَهُ وَ لَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا»

''تنہا اسی کی عبادت کرو گے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو گے۔''

اہلِ یثرب نے کہا: ہم کس چیز پر آپ سے بیعت کریں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي النَّشَاطِ وَالْكَسَلِ»

چستی اور سستی ہر حال میں بات سنو گے اور مانو گے۔

«وَ عَلَى النَّفَقَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ»

تنگی اور خوش حالی ہر حال میں مال خرچ کرو گے۔

«وَ عَلَى الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ عَلَى أَنْ تَقُومُوا فِي اللّٰهِ، لَا تَأْخُذُكُمْ فِي اللّٰهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ»

بھلائی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے۔ اللہ کے راستے میں اٹھ کھڑے ہو گے

[1] سیرت ابن ہشام: 442،440/1.

اور اس کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت تمھیں نہ روکے گی۔

«وَعَلَى أَنْ تَنْصُرُونِي إِذَا قَدِمْتُ إِلَيْكُمْ، وَ تَمْنَعُونِي مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ وَ أَزْوَاجَكُمْ وَ أَبْنَاءَ كُمْ، وَلَكُمُ الْجَنَّةُ»

(4) اور جب میں تمھارے پاس آجاؤں تو میری مدد کرو گے اور جس چیز سے اپنی جان اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری حفاظت کرو گے ...... اور تمھارے لیے جنت ہے۔[1]

(5) حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ (ہم نے اس بات پر بھی بیعت کی کہ) حکومت کے بارے میں اہلِ حکومت سے نزاع نہ کریں گے۔[2]

اس پر حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑا اور کہا:

''ہاں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ہم یقیناً اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے، جس سے اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں، لہٰذا آپ ہم سے بیعت لیجیے۔ اللہ کی قسم! ہم فرزندان ضرب وحرب ہیں اور ہتھیار ہمارا کھلونا ہے۔ ہماری یہی ریت باپ دادا سے چلی آرہی ہے۔

اتنے میں ابوالہیثم بن تیہان نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

''اے اللہ کے رسول! ہمارے اور کچھ لوگوں کے درمیان عہد وپیمان کی رسیاں ہیں اور اب ہم انھیں کاٹنے والے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ایسا کر ڈالیں، پھر اللہ آپ کو غلبہ عطا کردے تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کے پاس پلٹ آئیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کہا:

«بَلِ الدَّمُ الدَّمُ وَالْهَدْمُ الْهَدْمُ، أَنَا مِنْكُمْ وَ أَنْتُمْ مِنِّي، أُحَارِبُ مَنْ

① مسند أحمد:3/322، والسنن الكبرىٰ للبيهقي:9/9 اور اسے حاکم نے المستدرك:2/624 رقم: 4201 میں اور ابن حبان نے صحیح ابن حبان:10/475 میں صحیح کہا ہے۔ ② سیرت ابن هشام :1/454.

حَارَبْتُمْ وَ أُسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ»

''نہیں بلکہ خون خون ہے اور بربادی بربادی ہے۔ میں آپ لوگوں سے ہوں اور آپ لوگ مجھ سے ہیں۔ جس سے آپ جنگ کریں گے میں جنگ کروں گا اور جس سے آپ صلح کریں گے میں صلح کروں گا۔''

ٹھیک اس فیصلہ کن لمحے میں حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ انھوں نے کہا:

''آپ لوگ جانتے ہیں کہ ان سے کس بات پر بیعت کر رہے ہیں۔ ان سے سرخ وسیاہ (سارے انسانوں) سے جنگ پر بیعت کر رہے ہیں، اس لیے اگر آپ کو اندازہ ہے کہ جب آپ کے اموال کا صفایا کر دیا جائے گا اور آپ کے اشراف قتل کر دیے جائیں گے تو آپ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے تو پھر ابھی سے چھوڑ دیجیے کیونکہ یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے۔ اور اگر آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کے باوجود عہد نبھائیں گے تو پھر انھیں لے لیجیے کیونکہ یہ واللہ! دنیا اور آخرت کی بھلائی ہیں۔''

لوگوں نے کہا: ''ہم انھیں مال کی تباہی اور اشراف کے قتل کے خطرے کے باوجود ساتھ لیتے ہیں۔ اللہ کے رسول! بتلائیے اس کے بدلے ہمارے لیے کیا ہے؟''

آپ نے فرمایا: «اَلْجَنَّةُ» ''جنت۔'' لوگوں نے کہا: اپنا ہاتھ پھیلائیں۔

آپ نے ہاتھ پھیلایا اور لوگ بیعت کے لیے لپکے[1] مگر عین اسی وقت آپ کا ہاتھ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے پکڑ لیا اور کہا:

''اہلِ یثرب! ذرا ٹھہرو، ہم آپ کی خدمت میں اونٹوں کے کلیجے مار کر (لمبا سفر کر کے) اس یقین کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آج آپ کو یہاں سے لے جانے کے معنی ہیں: ''سارے عرب سے دشمنی، اپنے چیدہ سرداروں

[1] سیرت ابن ہشام: 1/442-446.

کا قتل اور تلواروں کی مار۔" اب اگر آپ لوگ یہ سب برداشت کر سکتے ہیں تو انھیں لے لیں اور آپ کا اجر اللہ پر ہے اور اگر آپ لوگ اپنے متعلق کوئی اندیشہ رکھتے ہیں تو انھیں ابھی سے چھوڑ دیں۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ قابلِ عذر ہوگا۔"

لوگوں نے کہا:

"اسعد! اپنا ہاتھ ہٹائیے! واللہ! ہم اس بیعت کو چھوڑ سکتے ہیں، نہ توڑ سکتے ہیں۔ اس کے بعد ایک ایک آدمی نے اٹھ کر بیعت کی[1] اور راجح ترین قول کے مطابق سب سے پہلے بیعت کرنے والے خود حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ ابو الہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ تھے اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ تھے۔[2] دونوں عورتوں کی بیعت صرف زبان سے ہوئی، ان سے مصافحہ نہیں فرمایا۔[3]

بارہ نقیب بیعت مکمل ہو چکی تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ وہ اپنے آپ میں سے بارہ نقیب پیش کریں، جو اپنی قوم کے نگران اور ان کے معاملات کے ذمہ دار ہوں گے۔ اس پر نو آدمی خزرج سے اور تین آدمی اوس سے منتخب کیے گئے۔ خزرج کے نقباء کے نام یہ ہیں:

- سعد بن عبادہ بن دلیم
- اسعد بن زرارہ بن عدس
- سعد بن ربیع بن عمرو
- عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ
- رافع بن مالک بن عجلان
- براء بن معرور بن صخر
- عبداللہ بن عمرو بن حرام
- عبادہ بن صامت بن قیس
- منذر بن عمرو بن خنیس

...... رضی اللہ عنہم

اوس کے نقباء کے نام یہ ہیں:

[1] مسند أحمد:3/322، والسنن الكبرى للبيهقي:9/9. [2] سيرة ابن هشام:1/447. [3] صحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، حديث:4834.

(1) ❋ اسید بن حضیر بن سماک (2) ❋ رفاعہ بن عبد المنذر بن زبیر

(3) ❋ سعد بن خیثمہ بن حارث اور کہا جاتا ہے کہ ابو الہیثم بن تیہان ...... رضی اللہ عنہم ......

جب ان کا انتخاب ہو چکا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنْتُمْ عَلٰی قَوْمِکُمْ بِمَا فِیهِمْ کُفَلَاءُ، کَکَفَالَةِ الْحَوَارِیِّینَ لِعِیسَی ابْنِ مَرْیَمَ، وَ أَنَا کَفِیلٌ عَلٰی قَوْمِي»

''آپ لوگ اپنی قوم کے جملہ معاملات کے کفیل ہیں، جس طرح حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کفیل ہوئے تھے اور میں اپنی قوم (مسلمانوں) کا کفیل ہوں۔''

ان سب نے کہا: ''جی ہاں۔''①

یہ ہے دوسری بیعت عقبہ، یہ نبی ﷺ کی اب تک کی زندگی میں سب سے عظیم اور اہم بیعت تھی۔ اس کی وجہ سے واقعات کا رخ بدل گیا اور تاریخ کی لائن تبدیل ہو گئی۔

جب بیعت پوری ہو چکی اور لوگ بکھرنے ہی والے تھے تو ایک شیطان کو اس کا پتہ چل گیا۔ اس نے نہایت بلند آواز سے جو شاید ہی کبھی سنی گئی ہو، پکار لگائی کہ خیمے والو! کیا محمد سے نمٹو گے؟ اس وقت بے دین اس کے ساتھ ہیں اور وہ تم سے لڑنے کے لیے جمع ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَمَا وَاللّٰهِ! یَا عَدُوَّ اللّٰهِ! لَأَتفَرَّغَنَّ لَكَ»

''او اللہ کے دشمن! میں تیرے لیے جلد ہی فارغ ہو رہا ہوں۔'' اب میں تجھے نہیں چھوڑوں گا

اور لوگوں سے فرمایا: ''تم اپنے اپنے ڈیروں پر چلے جاؤ!''

چنانچہ یہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس جا کر سو گئے اور وہیں صبح کی۔ ادھر صبح ہوئی تو قریش نے اس پر احتجاج کے لیے اہل یثرب کے خیموں کا رخ کیا مگر مشرکین یثرب نے کہا کہ یہ خبر باطل ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی، جبکہ مسلمانوں نے چپ سادھے رکھی، چنانچہ قریش نے مشرکین کی بات سچ سمجھی اور نامراد واپس چلے گئے۔

① سیرت ابن ہشام: 2/443-446۔

73 مسلمان اور دو عورتیں مسلمان ہوئیں

لیکن بعد میں قریش کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ خبر صحیح ہے، چنانچہ ان کے سواروں نے تیز رفتاری سے اہل یثرب کا پیچھا کیا اور سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو کو ''اذاخر'' کے پاس جالیا لیکن منذر بن عمرو نے انھیں بے بس کر دیا اور نکل بھاگے، البتہ سعد پکڑے گئے اور انھیں باندھ کر مارتے اور بال گھسیٹتے ہوئے مکہ لے جایا گیا لیکن وہاں مطعم بن عدی اور حارث بن حرب نے انھیں چھڑا دیا کیونکہ وہ ان دونوں کے قافلوں کو مدینے میں پناہ دیا کرتے تھے۔ ادھر انصار نے ارادہ کیا کہ مکہ پر دھاوا بول دیں مگر اتنے میں حضرت سعد آتے دکھائی دیے، لہٰذا تمام لوگ بخیریت مدینہ روانہ ہو گئے۔[1]

مسلمانوں کی ہجرت

عَقَبَہ کی اس دوسری بیعت کے بعد عام مسلمانوں نے مدینے کے لیے ہجرت شروع کر دی، جبکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اس سے پہلے ہی ہجرت کر چکے تھے اور رسول اللہ ﷺ کو بھی مسلمانوں کا ''دارالہجرت'' دکھلایا جا چکا تھا اور آپ ﷺ ان کو اس کی خبر بھی دے چکے تھے۔

آپ نے فرمایا:

«رَأَيْتُ أَنِّي أُهَاجِرُ مِنْ مَّكَّةَ إِلٰى أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ، فَذَهَبَ وَهَلِي إِلَى أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْ هَجَرٌ، فَإِذَا هِيَ الْمَدِينَةُ يَثْرِبُ»

''میں نے دیکھا ہے کہ میں مکے سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجوریں ہیں، میرا خیال تھا کہ یمامہ یا ہجر ہے لیکن وہ مدینہ (یثرب) تھا۔''[2]

ایک اور روایت میں ہے:

«أُرِيتُ دَارَ هِجْرَتِكُمْ سَبْخَةً بَيْنَ ظَهْرَانَيْ حَرَّتَيْنِ، فَإِمَّا أَنْ يَكُونَ هَجَرًا

[1] سیرت ابن هشام: 1/ 447، 450، وزادالمعاد: 2/ 51، 52. [2] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3622، و باب هجرة النبيﷺ و أصحابه إلى المدينة، قبل حديث: 3897.

أَوْ يَثْرِبَ»

”مجھے تمھارا دار الہجرت دکھلایا گیا، دو حروں (لاوے کی چٹانوں) کے درمیان ایک نشیبی زمین۔ اب وہ یا تو ہجر ہے یا یثرب۔“ ①

سب سے پہلے مہاجر، ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو سلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ بیوی بچے کے ساتھ نکلے لیکن بیوی کو اس کی قوم نے روک لیا اور بچے کو ابو سلمہ کے گھر والوں نے ماں سے چھین لیا اور ابو سلمہ تنہا مدینہ پہنچے۔ یہ بیعت عقبہ سے کوئی ایک سال پہلے کا واقعہ ہے، پھر کوئی سال بھر بعد ان لوگوں نے بیوی کو چھوڑ دیا اور وہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے آملیں۔ ②

ابو سلمہ کے بعد عامر بن ربیعہ، ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی حثمہ اور عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہم نے ہجرت کی، پھر بیعت عقبہ مکمل ہوئی تو مسلمانوں نے پے در پے ہجرت کی۔ یہ لوگ قریش کے ڈر سے چپکے چپکے نکلتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی۔ وہ قریش کو چیلنج دیتے ہوئے بہانگ دہل نکلے لیکن کسی کو ان کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ بیس صحابہ کے ساتھ مدینہ تشریف لائے۔ ③

غرض سارے مسلمانوں نے مدینہ ہجرت کی، مہاجرینِ حبشہ بھی مدینہ آگئے۔ مکہ میں صرف ابوبکر، علی، صہیب اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے یا پھر وہ کمزور مسلمان جو ہجرت کی طاقت نہیں رکھتے تھے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا قصد کیا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «عَلٰى رِسْلِكَ، فَإِنِّي أَرْجُو أَنْ يُّؤْذَنَ لِي»

”ذرا رکے رہو توقع ہے کہ مجھے بھی اجازت دے دی جائے گی۔“

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میرے ماں باپ آپ پر فدا، آپ کو اس کی توقع ہے؟“

آپ نے فرمایا: «نَعَمْ» ”ہاں۔“

① صحيح البخاري، الكفالة، باب جوار أبي بكر في عهد رسول الله ﷺ، حديث: 2297.
② سیرت ابن ہشام: 470,468/1. ③ صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب مقدم النبي ﷺ وأصحابه المدينة، حديث: 3925.

چنانچہ ابو بکر رضی اللہ عنہ رک گئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کریں۔ ان کے پاس دو اونٹنیاں تھیں۔ اُنھیں سفرِ ہجرت کے لیے ببول کے پتے کھلا کھلا کر خوب تیار کیا۔[1]

قریش ''دار الندوہ'' میں

قریش یہ دیکھ کر غصے سے دیوانے ہو گئے کہ مسلمانوں نے حفظ و امان کی ایک جگہ پالی ہے۔ انھیں مسلمانوں کی ہجرت اور مدینے میں اجتماع سے اپنے دین، اپنی تجارت اور اپنے وجود کے لیے خطرہ محسوس ہوا، چنانچہ وہ جمعرات 26 صفر سنہ 14 نبوت کی صبح کسی ایسی تجویز پر غور و خوض کے لیے ''دار الندوہ'' میں اکٹھے ہوئے، جو اس خطرے سے نجات کی ضامن ہو۔ بالخصوص ابھی صاحبِ دعوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے ہی میں تھے اور صبح شام میں ان کے بھی نکل جانے کا اندیشہ تھا۔ اس اجتماع میں سردارانِ قریش کے تقریباً تمام نمایاں چہرے موجود تھے۔ ابلیس بھی نجد کے ایک ''شیخ جلیل'' کی صورت میں اجازت لے کر شریک ہوا۔

اہلِ اجتماع کے سامنے اصل ''قضیہ'' پیش کیا گیا تو

- ابو الاسود نے کہا: ''ہم اسے اپنی زمین سے نکال دیں اور اپنا معاملہ درست کر لیں، پھر ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ وہ کہاں گیا۔''
- شیخ نجدی نے کہا: ''تم دیکھتے نہیں اس کی بات کتنی عمدہ اور اس کے بول کتنے میٹھے ہیں، مزید برآں وہ کس طرح لوگوں کا دل جیت لیتا ہے، لہٰذا جب وہ یہاں سے نکلے گا تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ عرب کے کسی قبیلے کے ہاں ٹھہرے اور لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو جائیں پھر وہ ان کی مدد سے تمھارے علاقے ہی میں تم پر چڑھ دوڑے۔ اور تمھارے ساتھ جیسا سلوک چاہے کرے۔ کوئی اور تجویز سوچو۔''
- اس پر ابو البختری نے کہا: ''اسے قید کر دو اور باہر سے دروازہ بند کر دو، یہاں تک کہ اس کا بھی وہی انجام ہو جو اس سے پہلے موت کی شکل میں دوسرے شعراء کا ہو چکا ہے۔''

[1] صحيح البخاري، الكفالة، باب جوار أبي بكر في عهد رسول الله وعقده، حديث: 2297.

* شیخ نجدی نے کہا: ''واللہ! اگر تم لوگوں نے اسے قید کر دیا تو یہ بات اس کے ساتھیوں تک ضرور پہنچ جائے گی اور وہ اسے اپنے باپ اور بیٹوں سے بھی بڑھ کر مانتے ہیں، لہٰذا کچھ بعید نہیں کہ وہ دھاوا بول کر اس کو تمھارے قبضے سے نکال لے جائیں، پھر اس کی مدد سے اپنی تعداد بڑھا کر تمھیں مغلوب کر لیں، لہٰذا کوئی اور تجویز سوچو۔''

* اب ''طاغوتِ اکبر'' ابوجہل نے کہا: ''اس کے بارے میں میری ایک رائے ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اب تک تم لوگ اس پر نہیں پہنچے۔ وہ رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلے سے ایک مضبوط، صاحب نسب اور بانکا جوان منتخب کریں، پھر ہر ایک کو ایک تیز تلوار دیں۔ اس کے بعد سب کے سب اس شخص کا رخ کریں اور اسے اس طرح یک بارگی تلوار مار کر قتل کر دیں، جیسے ایک ہی آدمی نے تلوار ماری ہو۔ اس طرح اس کا خون سارے قبائل میں بکھر جائے گا اور عبدِ مناف سارے قریش سے جنگ نہ کر سکیں گے، اس لیے دیت (خون بہا) لینے پر راضی ہو جائیں گے اور وہ ہم انھیں دے دیں گے۔

* شیخ نجدی نے کہا: ''یہ ہے بات، جو اس جوان نے کہی۔ رائے ہے تو یہی ہے۔ دیگر ہیچ۔''

* اہلِ اجتماع نے بھی یہی رائے پاس کی اور اٹھ کر اس کی تنفیذ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔[1]

نبی ﷺ کی ہجرت

قریش کی تدبیر اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر اس قسم کے اجتماع کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ انتہائی رازدارانہ ہو۔ ظاہری سطح پر کوئی ایسی حرکت پیش نہ آئے جو روز مرہ کے خلاف اور عام عادت سے مختلف ہو تاکہ کوئی شخص سازش اور خطرے کی بو نہ سونگھ لے اور کسی کے دل میں یہ بات نہ گزرے کہ یہ خاموشی کسی شر کا پیش خیمہ ہے۔ یہ قریش کا مکر تھا لیکن انھوں نے

[1] سیرت ابن ہشام: 482,480/1.

یہ مکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے مقابل کیا تھا، اس لیے انھیں اللہ نے اس طرح نامراد کیا کہ وہ سمجھ بھی نہ سکے، چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے۔ نبی ﷺ کو قریش کی سازش کی خبر دی۔ ہجرت کی اجازت دی۔ نکلنے کا وقت مقرر کیا اور قریش کے مکر کو رد کرنے کا پروگرام بتایا، چنانچہ فرمایا:

"جس بستر پر آپ سویا کرتے ہیں، آج کی رات اس بستر پر نہ سوئیں۔"[1]

ادھر ٹھیک دوپہر کے وقت جب لوگ اپنے اپنے گھروں میں آرام کیا کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ ہجرت کا پروگرام طے کیا، چنانچہ دونوں سواریوں کا سامان نہایت تیزی سے تیار کیا گیا اور عبداللہ بن اُرَیقط لیثی سے ...... جو ابھی تک دین قریش ہی پر تھا...... یہ بات طے کی اور اس کا عہد و پیمان لیا گیا کہ وہ اجرت پر ان کو مدینہ لے جائے گا۔[2] یہ شخص راستوں کا بڑا ماہر تھا۔ اسے کہہ دیا گیا کہ وہ تین رات کے بعد جبلِ ثور کے پاس آئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس آکر اپنے روزمرہ کے کام میں حسب عادت اس طرح لگے رہے کہ کسی کو محسوس تک نہ ہوا کہ قریش کی قرارداد سے بچنے کے لیے آپ ﷺ ہجرت کی یا کسی اور کام کی تیاری کر رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ آپ نماز عشاء کے بعد شروع رات میں سو جاتے اور آدھی رات کے بعد گھر سے نکل کر مسجد حرام تشریف لے جاتے اور وہاں تہجد کی نماز پڑھتے۔ اس رات آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا دیا اور بتلایا کہ تمھیں کوئی زک نہ پہنچے گی، چنانچہ جب عام لوگ سو گئے اور رات پرسکون ہوگئی تو سازشی لوگوں نے چپکے سے آکر رسول اللہ ﷺ کا گھر گھیر لیا۔

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کے بستر پر، آپ کی سبز حضرمی چادر اوڑھ کر

[1] سیرت ابن ھشام :482/1. [2] صحیح البخاري، البیوع، باب: إذا اشترى متاعاً أو دابةً......، حدیث:2138.

سوئے ہوئے دیکھا تو سمجھا کہ محمد ﷺ ہیں، چنانچہ وہ غرور وتکبر سے مٹکنے لگے اور آپ کی گھات میں بیٹھ گئے کہ جب آپ اٹھیں گے اور باہر نکلیں گے تو آپ پر ٹوٹ پڑیں گے۔[1]

اور یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے قریش کے مکر کا جواب تھا۔ فرمایا:

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝﴾

''اور جب کفار آپ کے خلاف مکر کر رہے تھے تاکہ آپ کو قید کر لیں یا قتل کر دیں یا نکال باہر کریں اور وہ داؤ چل رہے تھے اور اللہ (بھی) داؤ چل رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر داؤ والا ہے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ اپنا گھر چھوڑتے ہیں ادھر رسول اللہ ﷺ عین اس حالت میں جبکہ یہ لوگ آپ کا گھر گھیرے ہوئے تھے، باہر تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے ان کے سروں پر مٹی ڈالی۔

﴿وَجَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ﴾

''ہم نے ان کے آگے رکاوٹ کھڑی کر دی اور ان کے پیچھے رکاوٹ کھڑی کر دی، پس ہم نے انھیں ڈھانک دیا، لہٰذا وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔''[3]

چنانچہ اللہ نے ان کی نگاہیں سلب کر لیں اور وہ آپ کا مطلق احساس نہ کر سکے۔ اس کے بعد آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے مکان کی ایک کھڑکی سے نکل کر دونوں حضرات نے یمن کا رخ کیا اور فجر کی پو پھٹنے سے پہلے تقریباً پانچ میل فاصلے پر واقع ثور نامی پہاڑ کے ایک غار میں جا پہنچے۔[4]

غار میں تین راتیں غار کے پاس پہنچ کر پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تاکہ اس میں کوئی مضر چیز ہو تو رسول اللہ ﷺ کے بجائے انھی کو کاٹے یا ڈسے، چنانچہ انھوں

[1] سیرت ابن ہشام: 483,482/1. [2] الأنفال 30:8. [3] یٰسٓ 9:36. [4] سیرت ابن ہشام: 483/1.

نے غار کو صاف کیا۔ چند سوراخ تھے انھیں تہبند پھاڑ کر بند کیا۔ ایک یا دو سوراخ باقی رہے، ان میں اپنا پاؤں ڈال دیا، پھر رسول اللہ ﷺ اندر تشریف لائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سو گئے۔ اسی دوران میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو کسی چیز نے ڈس لیا مگر وہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کی وجہ سے ہلے نہیں لیکن ان کے آنسو رسول اللہ ﷺ کے چہرے پر ٹپک گئے، جس سے آپ بیدار ہو گئے اور ماجرا دریافت کیا تو انھوں نے بتایا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے کسی چیز نے ڈس لیا ہے۔''

اس پر نبی ﷺ نے لعاب دہن لگایا اور تکلیف جاتی رہی۔ غار میں دونوں حضرات تین رات چھپے رہے۔ اس دوران میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ بھی یہیں رات گزارتے تھے۔ وہ گہری سوجھ بوجھ کے مالک، سُخن فہم نوجوان تھے۔ وہاں سے سویرے نکل کر اس طرح قریش کے درمیان صبح کرتے گویا مکہ ہی میں رات گزاری ہے، پھر وہ قریش کی تدبیریں اور خبریں سنتے اور جب رات کی تاریکی گہری ہو جاتی تو ان خبروں کو لے کر غار میں پہنچ جاتے۔

ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریاں چراتے رہتے اور جب رات کا ایک حصہ گزر جاتا تو ان بکریوں کو لے کر ان کے پاس پہنچ جاتے، اس طرح دونوں حضرات آسودہ ہو کر دودھ پی لیتے، پھر صبح تڑکے ہی عامر بن فہیرہ بکریاں ہانک کر چل دیتے اور انھیں عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے قدموں کے نشانات پر لے جاتے تاکہ وہ نشانات مٹ جائیں۔[1]

باقی رہے قریش تو ان کے جوان رسول اللہ ﷺ کے بیدار ہونے کے انتظار میں گھر گھیر کر بیٹھے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور جب صبح ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے بستر سے اٹھے تو ان کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آپ کے بارے میں پوچھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے علم نہیں۔'' اس پر انھوں نے حضرت علی کو مارا اور گھسیٹ کر خانہ کعبہ تک لے گئے۔ کچھ دیر قید بھی رکھا لیکن بے فائدہ۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آئے اور ان کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ان کے بارے

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ، حديث: 3905.

میں دریافت کیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ''مجھے معلوم نہیں۔'' اس پر خبیث ابوجہل نے ایسا چانٹا مارا کہ ان کے کان کی بالی گر گئی، پھر انھوں نے ہر جانب تلاش شروع کر دی اور اعلان کیا کہ جو کوئی ان دونوں کو زندہ یا مردہ حاضر کرے، اسے ہر ایک کے بدلے سو اونٹ انعام دیے جائیں گے۔[1]

تلاش کرنے والے غار کے دہانے تک جا پہنچے، اس قدر قریب کہ اگر کوئی شخص سر نیچا کرتا اور اپنا پاؤں دیکھتا تو انھیں بھی دیکھ لیتا۔ اس صورت حال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سخت غم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا، لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا»

''ابوبکر! ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔ غم نہ کرو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''[2]

مدینے کی راہ میں سوموار کی رات۔ ربیع الاول سنہ 1 ھ کی چاند رات۔ رہنما، عبداللہ بن اُرَیقط لیثی، وعدے کے مطابق سواریاں لے کر جبل ثور کے دامن میں آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کوچ فرمایا۔ ان کے ساتھ عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ راہنما پہلے جنوب کی جانب یمن کے رخ پر دور تک چلا، پھر پچھّم (مغرب) کی طرف مڑا اور ساحل سمندر کا رخ کیا۔ ساحل کے قریب پہنچ کر شمال کی طرف مڑ گیا۔ اور ایک ایسے راستے پر چلا، جس پر شاذ و نادر ہی کوئی چلتا تھا۔ اس رات، رات بھر اور پھر آدھے دن تک مسلسل سفر جاری رہا۔ جب راستہ خالی ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چٹان کے سائے میں استراحت فرمائی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ اس دوران ایک چرواہا آیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے دودھ دوہوایا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو آپ کو اتنا دودھ پلایا کہ جی خوش ہو گیا، پھر وہاں سے آگے چل پڑے۔[3]

[1] تاریخ طبری :2/374، وسیرت ابن ھشام:1/487. [2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب المهاجرين وفضلهم، حديث: 3653. [3] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3615.

غالباً دوسرے دن ''ام معبدؒ'' کے خیمے سے گزر ہوا۔ یہ ''قدید'' کے اطراف میں ''مُشَلَّل'' کے پاس ہوا کرتی تھیں۔ ''مُشَلَّل'' مکہ سے 130 کلومیٹر دور ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ؟» ''کیا تمھارے پاس کچھ ہے؟''

اس نے میزبانی سے معذرت کی اور بتلایا کہ بکریاں دور دراز گئی ہوئی ہیں۔ ادھر خیمے کے ایک گوشے میں ایک بکری تھی، جسے کمزوری نے ریوڑ سے پیچھے چھوڑ رکھا تھا اور اس میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اجازت لے کر اسے دوہا تو اس نے اس قدر دودھ دیا کہ ایک بڑا سا برتن بھر گیا، جسے پوری ایک جماعت بمشکل اٹھا سکتی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے ''ام معبد'' کو پلایا، وہ آسودہ ہوگئی تو اپنے ساتھیوں کو پلایا۔ وہ بھی آسودہ ہو گئے تو خود پیا اور دوبارہ دوہ کر برتن بھر دیا اور اسے ''ام معبد'' کے پاس چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔

اس کا شوہر آیا تو دودھ دیکھ کر اسے تعجب ہوا۔ دریافت کیا تو ام معبد نے پوری بات بتلائی اور نبی ﷺ کا سراپا سر سے پاؤں تک اور گفتگو اور طور اطوار نہایت باریکی سے بیان کیے۔ اس پر ابو معبد بول اٹھا: ''یہ تو واللہ! صاحب قریش ہے۔ میرا ارادہ ہے کہ آپ کا ساتھ اختیار کروں اور کوئی راستہ ملا تو ایسا ضرور کروں گا۔''

تیسرے روز صبح اہل مکہ نے ایک آواز سنی جو زیریں مکہ سے شروع ہوئی اور بالائی مکہ سے گزر کر نکل گئی۔ لوگوں نے اس کا پیچھا کیا۔ مگر ''صاحب آواز'' کو نہ دیکھا، وہ کہہ رہا تھا:

جَزَى اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَائِهِ
رَفِيقَيْنِ حَلَّا خَيْمَتَيْ أُمِّ مَعْبَدِ
هُمَا نَزَلَا بِالْبِرِّ وَارْتَحَلَا بِهِ
وَ أَفْلَحَ مَنْ أَمْسَى رَفِيقَ مُحَمَّدِ
فَيَا لَقُصَيٍّ مَا زَوَى اللّٰهُ عَنْكُمْ

بِهِ مِنْ فَعَالٍ لَا تُجَارٰى وَ سُؤْدَدِ

لِيَهْنِ بَنِي كَعْبٍ مَكَانُ فَتَاتِهِمْ

وَ مَقْعَدُهَا لِلْمُؤْمِنِينَ بِمَرْصَدِ

سَلُوا أُخْتَكُمْ عَنْ شَاتِهَا وَ إِنَائِهَا

فَإِنَّكُمْ إِنْ تَسْأَلُوا الشَّاةَ تَشْهَدِ

''اللہ جو لوگوں کا پروردگار ہے، ان دو رفیقوں کو بہترین جزا دے جو ام معبد کے خیمے میں نازل ہوئے۔ وہ دونوں خیر کے ساتھ اترے اور خیر ہی کے ساتھ روانہ ہوئے اور جو محمد کا رفیق ہوا، وہ کامیاب ہوا۔ ہائے قصی! اللہ نے اس کے ساتھ کتنے بے نظیر کارنامے اور سرداریاں سمیٹ دیں۔ بنو کعب کو ان کی خاتون کی قیام گاہ اور مومنین کی نگہداشت کا پڑاؤ مبارک ہو۔ تم اپنی خاتون سے اس کی بکری اور برتن کے متعلق پوچھو تم اگر خود بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی شہادت دے گی۔''[1]

پھر آپ ''قدید'' سے آگے بڑھے تو سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی نے قریش کے اعلان کردہ انعام کے لالچ میں اپنے گھوڑے پر بیٹھ کر آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پیچھا کیا۔ قریب پہنچا تو گھوڑا پھسل گیا اور سراقہ نیچے آرہا۔ اس نے اٹھ کر فال گیری کے تیر دیکھے کہ نقصان پہنچا سکتا ہے یا نہیں۔ تیر وہ نکلا جو ناپسند تھا لیکن فالِ بد کی پروا کیے بغیر وہ سوار ہو کر اور آگے بڑھا۔ جب اس قدر قریب پہنچ گیا کہ آپ کی قراءت سننے لگا...... اور آپ التفات نہیں فرماتے تھے جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ بار بار مُڑ کر دیکھ رہے تھے...... تو اس کے گھوڑے کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے اور وہ گھوڑے سے گر گیا، پھر سراقہ کی ڈانٹ پر گھوڑا اٹھنے لگا تو بمشکل اپنے پاؤں نکال سکا اور جب وہ سیدھا کھڑا ہوا تو اس کے پاؤں کے نشان سے آسمان کی طرف دھوئیں جیسا غبار اڑ

[1] زادالمعاد:54,53/2، والمستدرك للحاكم:10,9/3، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، نیز دیکھیے شرح السنة للبغوي:264/13.

رہا تھا۔ سراقہ نے پھر فال گیری کے تیر نکالے تو پھر وہی نکلا جو ناپسند تھا۔ اس سے اس پر زبردست رعب طاری ہوگیا اور اسے یقین ہوگیا کہ نبی ﷺ کا معاملہ غالب آ کر رہے گا، چنانچہ اب اس نے امان کی پکار لگائی۔ نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے۔ یہ ان کے پاس پہنچا اور بتلایا کہ قریش نے کیا طے کیا ہے اور خود یہ کس ارادے سے چلا تھا، پھر زادو متاع پیش کیا لیکن نبی ﷺ نے کچھ نہ لیا، البتہ اس سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ کی بات لوگوں سے چھپائے رکھے۔ سراقہ نے پروانۂ امن لکھوایا۔ آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور انھوں نے ایک چمڑے پر لکھ دیا، پھر سراقہ واپس ہوا اور جو کوئی تلاش و جستجو میں ملا اس سے کہا:

''میں ادھر کی کھوج خبر لے چکا ہوں، یہاں تمھارا جو کام تھا کیا جا چکا ہے اور یوں تلاش کرنے والوں کو واپس کر دیا۔''[1]

راستے میں بُریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ ان کے ساتھ ان کی قوم کے ستر یا اسی گھرانے تھے۔ وہ سب مسلمان ہو گئے اور نبی ﷺ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی۔ بریدہ غزوۂ احد کے بعد مدینہ آ گئے۔[2]

مقام ''عرج'' میں آپ کا گزر ابوتمیم اوس بن حجر اسلمی کے پاس سے ہوا۔ اس وقت بعض اونٹوں کے تھکنے کی وجہ سے آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک ہی اونٹ پر تھے۔ اوس نے اپنا ایک اونٹ دیا اور اپنے غلام مسعود بن ہنیدہ کو ساتھ کر دیا، جو مدینے تک آپ کا ہم رکاب رہا۔ احد کے موقع پر بھی اوس نے مشرکین کی آمد کی خبر اپنے اسی غلام کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ کو بھجوائی تھی۔ اوس مسلمان ہو گیا تھا لیکن عرج ہی میں قیام پذیر رہا۔[3]

وادئ ریم میں پہنچے تو حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، جو مسلمانوں کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام سے واپس آ رہے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ وأصحابه إلى المدينه، حديث:3906.
[2] أسد الغابة:1/209. [3] أسد الغابة:1/173، و سيرت ابن هشام:1/491.

کو سفید پارچہ جات پیش کیے۔[1]

قبا میں تشریف آوری سوموار 8 ربیع الاول سنہ 14 نبوت بمطابق سنہ 1 ہجری کو رسول اللہ ﷺ قبا میں داخل ہوئے۔ ادھر اہلِ مدینہ نے جب سے رسول اللہ ﷺ کی روانگی کی خبر سنی تھی، روزانہ صبح ہی صبح حرّہ کی طرف نکل جاتے تھے اور جب دوپہر سخت ہوجاتی تو پلٹ آتے تھے۔ ایک روز طویل انتظار کے بعد لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جاچکے تھے کہ ایک یہودی اپنے چھوٹے سے قلعے کی چھت پر کچھ دیکھنے کے لیے چڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفقاء سفید کپڑوں میں ملبوس، چلے آرہے ہیں۔ اس نے بے خود ہوکر نہایت بلند آواز سے کہا:

"عرب کے لوگو! یہ رہا تمھارا نصیب جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔"

یہ سنتے ہی مسلمان ہتھیار اٹھا اٹھا کر استقبال کے لیے نکل پڑے اور نبی ﷺ کی تشریف آوری پر مارے خوشی کے شور برپا ہوگیا۔ اس موقع پر تکبیر کی گونج سنی گئی۔ لوگوں نے حرہ کا رخ کیا اور وہیں پر آپ سے ملاقات کی، پھر آپ دائیں جانب مڑ گئے اور قبا میں "بنی عمرو بن عوف" میں قیام فرمایا۔

قبا میں اترنے کے بعد آپ ﷺ خاموش بیٹھ گئے۔ اب انصار کا جو آدمی آتا جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہ تھا، وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو رسول سمجھ کر انھی کو سلام کرتا کیونکہ ان کے بالوں میں سفیدی آچکی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ پر دھوپ آگئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چادر تان کر آپ پر سایہ کیا، تب لوگوں نے پہچانا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔[2]

قبا میں رسول اللہ ﷺ نے کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ اور کہا جاتا ہے کہ سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر قیام فرمایا اور وہاں چار دن ٹھہر کر مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور اس میں نماز پڑھی۔ پانچویں دن ...... جو جمعے کا دن تھا...... اللہ کے حکم سے سوار ہوئے، ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ، حديث: 3906. [2] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ، حديث: 3906.

بیٹھے تھے۔ آپ نے اپنے ننھیال ''بنونجار'' کے پاس پیغام بھجوایا۔ وہ لوگ تلواریں حمائل کیے حاضر ہوئے۔ اس کے بعد ان کی معیت میں آپ نے مدینہ کی جانب کوچ کیا۔[1] بنوسالم بن عوف کی بستی میں پہنچے تو جمعے کا وقت ہو گیا۔ آپ نے وہیں بطن وادی میں جمعے کی نماز پڑھائی، جس میں سو آدمی شریک تھے۔[2]

مدینے میں داخلہ جمعے کے بعد مدینے کا رخ کیا۔ لوگ استقبال کے لیے امنڈ پڑے تھے۔ گھر اور گلی کوچے حمد و تسبیح سے گونج رہے تھے۔ عورتیں اور بچے، بچیاں نکل نکل کر کہہ رہی تھیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا

مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا

مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا

جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

''ہم پر مدینے کے اطراف سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا۔ جب تک اللہ کو پکارنے والا پکارے، ہم پر شکر واجب ہے۔ اے ہم میں بھیجے گئے (نبی)! آپ واجب الاطاعت دین لے کر آئے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ انصار کے جس محلے سے گزرتے لوگ آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے اور عرض کرتے کہ ہر طرح کا سامان اور ہتھیار و حفاظت فرشِ راہ ہیں۔ تشریف لائیے! مگر آپ فرماتے: «خَلُّوا سَبِيلَهَا فَإِنَّهَا مَأْمُورَةٌ»

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي ﷺ، حديث: 3911. [2] سیرت ابن هشام: 494/1، و زادالمعاد: 55/2.

”اونٹنی کی راہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔“

چنانچہ اونٹنی جب اس مقام پر پہنچی جہاں آج مسجد نبوی ہے تو وہ بیٹھ گئی لیکن آپ نیچے نہیں اترے، یہاں تک کہ وہ اٹھ کر تھوڑی دور آگے گئی، پھر مڑ کر دیکھنے کے بعد پلٹ آئی اور اپنی پہلی جگہ پر دوبارہ بیٹھ گئی۔ آپ اونٹنی سے اُتر آئے۔ اب لوگوں نے اپنے اپنے گھر لے جانے کے لیے آپ سے عرض معروض شروع کی لیکن حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جلدی سے آپ کا کجاوہ اٹھالیا اور اپنے گھر لے کر چلے گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے:

«اَلْمَرْءُ مَعَ رَحْلِهِ» ”آدمی اپنے کجاوے کے ساتھ ہے۔“

البتہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی اونٹنی کی نکیل پکڑلی، اس لیے وہ انھی کے پاس رہی۔[1]

ادھر سردارانِ انصار نے رسول اللہ ﷺ کی ضیافت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر حصہ لیا، چنانچہ ان کی طرف سے روزانہ کئی کئی کھانے کے طشت پہنچتے۔ کوئی ایسی رات نہ آتی کہ آپ کے دروازے پر تین، چار طشت حاضر نہ ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہجرت نبی ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ مکے میں تین روز ٹھہرے رہے۔ اس دوران میں، اہل مکہ کی جو امانتیں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں، انھیں ادا کیا، پھر پیدل چل پڑے اور قبا میں رسول اللہ ﷺ سے آملے۔ ان کا قیام کلثوم بن ہدم کے مکان پر تھا۔[2]

اہلِ بیت کی ہجرت جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں قیام پذیر ہو چکے تو زید بن حارثہ اور ابو رافع کو مکہ بھیجا۔ وہ نبی ﷺ کی دونوں صاحبزادیوں حضرت فاطمہ وام کلثوم، ام المؤمنین حضرت سودہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہن اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو ساتھ لائے۔ ان کے ہمراہ

① سیرت ابن ہشام: 496,494/1، وزادالمعاد: 55/2، وصحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب هجرة النبي، وأصحابه إلى المدينة، حديث: 3911. ② سیرت ابن ہشام: 493/1، و زادالمعاد: 54/2.

عبد اللہ بن ابوبکر بھی ابوبکر کے عیال ام رومان، عائشہ اور اسماء کو لے کر آ گئے۔ رضی اللہ عنہم۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے چھ ماہ بعد کا واقعہ ہے۔[1]

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہجرت کی۔ انھوں نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو مشرکین نے اُنھیں روک لیا۔ ان کے پاس بہت سا مال تھا۔ وہ مال سے دستبردار ہو گئے تو مشرکین نے ان کی راہ چھوڑ دی۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا: «رَبِحَ الْبَيْعُ يَا أَبَا يَحْيىٰ!» ''ابو یحییٰ! یہ بیع کامیاب رہی۔'' ابو یحییٰ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت تھی۔[2]

کمزور مسلمان مشرکین نے بعض مسلمانوں کو ہجرت سے روک رکھا تھا۔ وہ انھیں ستاتے اور دین سے پھیرنے کی کوشش کرتے تھے۔ انھی میں ولید بن ولید، عیاش بن ابوربیعہ اور ہشام بن عاص رضی اللہ عنہم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عرصہ ان کے لیے نماز میں دعا (قنوتِ نازلہ) فرماتے رہے اور جن کفارِ قریش نے انھیں روکا تھا ان پر بددعا کرتے رہے، یہی قنوت کی اصل ہے، پھر بعض مسلمانوں نے جرأت مندانہ قدم اٹھا کر انھیں کفار کی قید سے چھڑا لیا اور یہ بھی مدینہ آ گئے۔[3]

مدینے کی آب وہوا مہاجرین مدینہ اترے تو جس زمین میں پلے بڑھے تھے، اس کی یاد ستانے لگی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مدینہ، اللہ کی سب سے زیادہ وبا انگیز سرزمین تھی، چنانچہ یہاں آنے کے بعد انھیں بخار اور مختلف امراض نے پکڑ لیا۔ آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پروردگار سے دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ، كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، وَ صَحِّحْهَا، وَ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِهَا وَ مُدِّهَا، وَانْقُلْ حُمَّهَا فَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ»

''اے اللہ! ہمارے نزدیک مدینہ کو اسی طرح محبوب کر دے، جیسے مکہ محبوب تھا یا اس

[1] زادالمعاد: 55/2 وغیرہ۔ [2] المعجم الكبير للطبراني: 43/8، حديث: 7308، وسيرت ابن هشام:477/1. [3] سيرت ابن هشام:476,474/1.

سے بھی زیادہ۔ اور مدینے کی فضا صحت بخش بنا دے اور اس کے صاع اور مد (غلے کے پیمانوں) میں برکت دے اور اس کا بخار منتقل کر کے جُحفہ پہنچا دے۔''

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی یہ دعا سن لی۔ مسلمان امراض سے راحت پا گئے اور انھیں مدینہ محبوب ہو گیا۔[1]

مدینہ منورہ میں نبی ﷺ کے اعمال

جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو چکے تو ''دعوت الی اللہ'' کے ساتھ ساتھ وہاں کے دینی اور دنیوی امور کو بھی منظم کرنا شروع کیا۔

مسجد نبوی اس سلسلے میں آپ ﷺ کا پہلا قدم یہ تھا کہ آپ نے مسجدِ نبوی کی تعمیر شروع کی اور اس کے لیے وہ زمین خریدی جس پر آپ کی اونٹنی بیٹھی تھی۔ یہ دو یتیم بچوں کی زمین تھی۔ تقریباً سو ہاتھ لمبی اور سو ہاتھ چوڑی۔ اس میں مشرکین کی چند قبریں تھیں۔ کچھ ویرانہ تھا۔ کھجور اور غرقد کے چند درخت بھی تھے۔ آپ نے قبریں اکھڑوا دیں۔ ویرانہ ختم کرا دیا۔ درخت اور کھجوریں کٹوا دیں اور انھیں قبلے کی جانب لگوا دیا۔ بنیاد تقریباً تین ہاتھ کھدوائی۔ دیواریں مٹی اور کچی اینٹوں سے اٹھوائیں۔ دروازے کے دونوں بازو پتھر کے لگائے گئے۔ چھت کھجور کی شاخوں کی اور شہتیر کھجور کے تنوں کے۔ فرش پر ریت اور کنکریاں بچھائی گئیں۔ مسجد میں تین دروازے رکھے گئے۔ قبلہ شمال میں بیت المقدس کی طرف تھا۔ تعمیر کے لیے رسول اللہ ﷺ مہاجرین وانصار کے ساتھ خود پتھر اور اینٹیں ڈھوتے تھے۔ آپ رَجز پڑھتے تھے اور مہاجرین وانصار بھی رَجز پڑھتے تھے، اس سے ان کی تیزی اور بڑھ جاتی تھی۔[2]

آپ نے مسجد کے بازو میں پتھر اور مٹی کے دو حجرے بھی بنائے، جن پر کھجور کے تنوں

① صحيح البخاري، فضائل المدينة، باب كراهية النبيﷺ أن تعرى المدينة، حديث: 1889.
② صحيح البخاري، الصلاة، باب هل تنبش قبور مشركي الجاهلية......، حديث: 428.

اور شاخوں کی چھت ڈالی۔ ایک حضرت سودہ بنت زمعہ کے لیے اور دوسرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے اس وقت آپ کے عقد میں یہی دو بیویاں تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی آمد کے تھوڑے ہی دن بعد شوال سنہ 1 ہجری میں رخصت کیا گیا۔[1]

اذان اب مسلمان پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرنے کے لیے حاضر ہو رہے تھے اور اس کے لیے وہ وقت کا اندازہ لگاتے تھے مگر دقت یہ تھی کہ کوئی بہت پہلے آ جاتا تھا تو کوئی دیر سے پہنچتا، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے مشورہ کیا کہ کوئی ایسی علامت اختیار کی جائے جس سے سب کو وقت کا پتہ چل جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

"کیوں نہ کسی آدمی کو بھیج دیا جائے جو «اَلصَّلَاۃُ جَامِعَۃٌ» "نماز جمع کرنے والی ہے۔" پکار دیا کرے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی رائے قبول کی اور اسی پر عمل کیا، پھر حضرت عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ انصاری رضی اللہ عنہ نے خواب میں اذان سُنی اور آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا: «إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ» "یہ سچا خواب ہے۔"

اور حکم دیا کہ وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات القا کرتے جائیں اور بلال پکارتے جائیں کیونکہ ان کی آواز زیادہ بلند اور سریلی ہے، چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی۔ ان کی آواز سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے آئے اور کہا: "واللہ! میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے۔ اس سے اس خواب کی مزید تائید ہو گئی اور اسی دن سے یہ اذان اسلام کا ایک شعار بن گئی۔"[2]

مہاجرین وانصار میں بھائی چارہ یہ انصار کا کرم اور ان کی خوبی تھی کہ وہ مہاجرین کو اپنے گھر ٹھہرانے اور ان کی میزبانی کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتے

[1] زادالمعاد: 2 / 56. [2] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في بدء الأذان، حديث: 189 (1/358,359)، وسنن أبي داود، الصلاة، باب كيف الأذان، حديث: 499، ومسند أحمد: 4/43 وغيره.

تھے۔ وہ اللہ کے اس ارشاد کا حقیقی نمونہ تھے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

”اور وہ لوگ جنھوں نے دار (ہجرت) میں پہلے سے ٹھکانا بنایا اور ایمان لائے تو جو ان کے پاس ہجرت کر کے آتا ہے، اس سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ انھیں دیا جائے اپنے سینوں میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور اپنے آپ پر اوروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں تنگ دستی کیوں نہ ہو۔“[1]

پھر نبی ﷺ نے اس محبت وایثار کو انصار اور مہاجرین میں بھائی چارا کرا کے مزید پختہ کر دیا، چنانچہ آپ ﷺ نے ہر انصاری اور اس کے نزیل (مہاجر مہمان) کو بھائی قرار دیا۔ یہ کل نوے آدمی تھے۔ آدھے مہاجرین سے اور آدھے انصار سے۔ آپ نے ان کے درمیان غم گساری پر اور اس بات پر بھائی چارہ کرایا کہ قرابت داروں کے بجائے وہی موت کے بعد ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ بعد میں وراثت تو منسوخ کر دی گئی لیکن بھائی چارگی باقی رہی۔ یہ ”بھائی چارگی“ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مکان پر عمل میں آئی۔ مہاجرین سے انصار کی محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے نبی ﷺ کو اپنے کھجوروں کے باغات پیش کیے کہ آپ ان کے اور مہاجرین کے درمیان انھیں تقسیم فرما دیں۔ آپ نے انکار فرمایا تو انھوں نے کہا: ”پھر آپ لوگ کام کر دیا کریں اور ہم پھلوں میں آپ لوگوں کو شریک کر لیں گے۔“

آپ ﷺ نے اسے منظور فرمالیا۔[2]

[1] الحشر 9:59. [2] صحيح البخاري، الكفالة، باب قول الله عزّوجل: ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾، حديث: 2294، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب مؤاخاة النبي بين أصحابه، حديث: 2529، وسنن أبي داود، الفرائض، باب في الحلف، حديث: 2926، والأدب المفرد للبخاري، حديث: 683، ومسند أبي يعلى: 366/4، وزادالمعاد: 56/2 وغيره.

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ بڑے مالدار انصاری تھے، انھوں نے اپنے مہاجر بھائی عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا:

میرا مال آدھا آدھا تقسیم کر لو۔ میری دو بیویاں ہیں، دیکھ لو۔ جو تمھیں زیادہ پسند ہو، مجھے بتلا دو، میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، عدت گزر جائے تو اس سے شادی کر لینا۔

عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ آپ کے اہل اور مال میں برکت دے۔ آپ لوگوں کا بازار کدھر ہے؟''

انھوں نے انھیں بنو قینقاع کا بازار بتلا دیا۔ وہ واپس آئے تو ان کے پاس کچھ فاضل پنیر اور گھی تھا، پھر تھوڑے ہی دن گزرے کہ انھوں نے مال بھی کما لیا اور ایک انصاری عورت سے شادی بھی کر لی۔[1]

اسلامی معاشرے اور اسلامی امت کی بنیاد رکھنا یہ ''بھائی چارا'' مہاجرین کے ایک فرد اور انصار کے ایک فرد کے درمیان تعلق قائم کرتا تھا لیکن مسلمان مدینہ آنے کے بعد چونکہ ایک مستقل امت بن چکے تھے، اس لیے ان کی اجتماعی تنظیم کی بھی ضرورت تھی اور انھیں یہ بھی بتلانا تھا کہ ان کے حقوق و واجبات کیا ہیں اور ان نکات کی بھی نشاندہی کرنی تھی جو اُنھیں اوروں سے الگ ایک مستقل امت بناتے ہیں۔

پھر مدینے میں مسلمانوں کے علاوہ دو جماعتیں اور تھیں جو عقیدے اور دین، مصالح اور ضروریات اور جذبات واحساسات میں مسلمانوں سے یکسر مختلف تھیں اور وہ تھے مشرکین اور یہود، چنانچہ نبی ﷺ نے ایک عہد و پیمان مسلمانوں کے مابین کرایا اور دوسرا عہد و پیمان مسلمانوں اور مشرکین، نیز مسلمانوں اور یہود کے درمیان کرایا اور اس بارے میں ایک تحریر بھی لکھوائی جس کے خاص خاص نکات یہ ہیں:

1 قریش اور یثرب کے مومنین و مسلمین اور ان کے ماتحت ہو کر ان کے ساتھ ملنے والے

[1] صحیح البخاري، البیوع، باب ماجاء في قول اللّٰه ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَوٰةُ﴾، حدیث:3048.

اور جہاد کرنے والے، بقیہ لوگوں سے الگ ایک امت ہیں۔

2 ان کی دیت کی ادائی اور قیدی کی رہائی اہل ایمان کے درمیان حسب سابق ہوگی اور یہ فدیہ اور دیت میں اہل ایمان کی مدد کریں گے۔

3 یہ لوگ مفسد، ظالم اور باغی کے خلاف ایک ہاتھ ہو کر اٹھیں گے، چاہے وہ ان کی اپنی اولاد ہی کیوں نہ ہو۔

4 کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے قتل نہ کرے گا اور نہ کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

5 اللہ کا ذمہ ایک ہے، لہٰذا ایک معمولی آدمی کا دیا ہوا ذمہ بھی سارے مسلمانوں پر لاگو ہوگا۔

6 جو یہود مسلمانوں کے پیروکار ہو جائیں ان کی مدد کی جائے گی اور وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہوں گے۔

7 مسلمانوں کی صلح ایک ہوگی۔

8 جو کسی مومن کو قصداً قتل کر دے اس سے قصاص لیا جائے گا، سوائے اس صورت کے کہ مقتول کے ولی راضی ہو جائیں اور اہل ایمان پر ضروری ہے کہ سب قاتل کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

9 کسی مومن کے لیے حلال نہیں کہ کسی ہنگامہ برپا کرنے والے یا بدعتی کی مدد کرے یا اسے ٹھکانا مہیا کرے۔

10 اور ان کے درمیان کسی بات میں اختلاف ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹایا جائے گا۔[1]

اس عہد و پیمان کے علاوہ نبی ﷺ نے مختلف اوقات اور مواقع پر مسلمانوں سے ''اسلامی اخوت'' کا حق بھی بیان فرمایا۔ انھیں باہم تعاون و مدد، اتحاد و یگانگت اور غم گساری و خبر گیری

[1] سیرت ابن ہشام: 1/502-504.

کی ترغیب دی، یہاں تک کہ یہ ''اخوت'' تاریخ کی سب سے بلند چوٹی تک پہنچ گئی۔

باقی رہے مشرکین تو ان کا معاملہ چل چلاؤ پر تھا۔ ان کی اکثریت اپنے سرداروں اور بڑوں سمیت مسلمان ہو چکی تھی اور ان میں اتنی سکت نہ تھی کہ مسلمانوں کے مدمقابل کھڑے ہو سکتے، لہٰذا ان سے نبی ﷺ نے یہ عہد لیا: ''کوئی مشرک قریش کی جان ومال کو پناہ نہ دے گا اور نہ کسی مومن کے آگے اس کی حفاظت کے لیے رکاوٹ بن سکے گا۔''

اور اس عہد کے بعد ان کی طرف سے کوئی اندیشہ نہ رہا۔

باقی رہے یہود تو ان کے ساتھ نبی ﷺ نے جو معاہدہ کیا، اس کے خاص خاص نکات حسب ذیل ہیں:

1. یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک امت ہوں گے۔ ان کے لیے ان کا دین اور مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین ہوگا۔ ان کے ذمے ان کا خرچ ہوگا اور مسلمانوں کے ذمے مسلمانوں کا۔
2. جو طاقت اس معاہدے کے کسی بھی فریق سے جنگ کرے گی یا یثرب پر حملہ آور ہوگی، سب اس کے خلاف آپس میں تعاون کریں گے اور ہر ایک اپنی جانب کا دفاع کرے گا۔
3. اس معاہدے کے شرکاء کے درمیان خیر خواہی، خیر اندیشی اور نیکو کاری کے تعلقات ہوں گے، گناہ کے نہیں۔
4. آدمی اپنے حلیف کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا۔
5. مظلوم کی مدد کی جائے گی۔
6. جب تک جنگ برپا رہے گی، یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔
7. اس معاہدے کے شرکاء پر یثرب میں ہنگامہ آرائی اور کشت وخون حرام ہوگا۔
8. اور اگر ان میں کوئی ہنگامہ یا جھگڑا برپا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کریں گے۔

9 قریش اور ان کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

10 اور یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لیے آڑ نہ بنے گا۔[1]

اس قرار داد کے ذریعے سے یثرب کے سارے باشندے مسلمان، مشرکین اور یہود ایک ہی وحدت کی لڑی میں پرو دیے گئے اور مدینہ اور اس کے اطراف کو ملا کر ایک آزاد خود مختار حکومت قائم ہو گئی جس میں مسلمانوں کا کلمہ نافذ تھا اور جس کے سربراہ محمد رسول اللہ ﷺ تھے۔

اس کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ اور مسلمان ''دعوت الی اللہ'' کے کام میں سرگرم ہو گئے، چنانچہ آپ ﷺ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی مجالس میں تشریف لے جاتے، ان کے سامنے ''کلام اللہ'' کی آیات تلاوت فرماتے، اللہ کی طرف بلاتے اور جو ایمان لاتا، اس کا تزکیہ فرماتے اور اسے کتاب وحکمت سکھاتے۔

[1] سیرت ابن ھشام:1/502-504.

باب:4

غزوات وسرایا

قریش کے داؤ پیچ مدینہ پہنچ کر نبی ﷺ وہاں کے معاملات مرتب فرما رہے تھے، زندگی کے مختلف گوشوں کی تنظیم کر رہے تھے اور یہ توقع کر رہے تھے کہ وہاں آپ کو اور مسلمانوں کو کسی کشمکش اور ٹکراؤ کے بغیر اپنے دین پر عمل کرنے کے لیے ایک پرامن ماحول میسر آئے گا کہ اسی دوران میں قریش کے داؤ پیچ سامنے آئے جن کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے۔

چنانچہ قریش نے مشرکینِ یثرب کو لکھا:

''مسلمانوں سے لڑ کر انھیں مدینے سے نکال باہر کریں۔ اگر ایسا نہ کیا تو قریش ان کے جوانوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کو قیدی بنا لیں گے۔''

اس خط کی آمد پر یثرب کے مشرکین اس پر عمل درآمد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس جا کر وعظ و نصیحت کی تو لڑائی کے ارادے سے باز آ گئے اور اِدھر اُدھر بکھر گئے۔[1]

اسی طرح اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ عمرے کے لیے مکہ گئے۔ وہ ابوصفوان امیہ بن خلف کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابوجہل سے سامنا ہو گیا۔ اس نے حضرت سعد کو پہچانا تو انھیں دھمکیاں دیں۔ کہنے لگا: ''مکے میں امن کے ساتھ گھوم رہے ہو جبکہ اپنے یہاں بے دینوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ سنو! اللہ کی قسم! اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے گھر سلامت پلٹ کر نہ جا سکتے تھے۔'' یہ مسلمانوں کو مسجد حرام سے

[1] سنن أبي داود، الخراج، باب خبر النضير، حديث:3004.

روکنے کا اعلان تھا اور اس کا بھی کہ اگر وہ قریش کی حدود میں پائے گئے تو انھیں قتل کر دیا جائے گا۔[1]

قریش کے تعلقات یثرب کے یہود سے بھی تھے اور یہود...... جیسا کہ انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام سے منقول ہے ...... سانپ اور سانپوں کی اولاد تھے، چنانچہ وہ اوس وخزرج کے درمیان پرانی دشمنیاں اور دفن شدہ کینے اکھیڑتے رہتے تھے۔ اُنھیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے اور دنگا فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

یوں مدینے میں اندر اور باہر سے مسلمانوں کو خطرات نے گھیر لیا اور بات یہاں تک جا پہنچی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہتھیار لے کر سوتے تھے اور ہتھیار کے ساتھ ہی صبح جاگتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پہرے کا انتظام کیا گیا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا: ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ ”اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت کرے گا۔“[2]

چنانچہ آپ نے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! انْصَرِفُوا عَنِّي، فَقَدْ عَصَمَنِي اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ»

”لوگو! واپس جاؤ۔ اللہ عزوجل نے مجھے محفوظ کر دیا ہے۔“[3]

لڑائی کی اجازت ان پُر خطر حالات میں اللہ عزوجل نے قریش سے قتال کی اجازت نازل فرمائی۔ آئندہ چل کر حالات مزید بدلے تو یہ اجازت واجب کے درجے تک پہنچ گئی، جس میں ”غیر قریش“ بھی شامل تھے لیکن ان واقعات کے ذکر سے پہلے ان مراحل کا مختصر ذکر ضروری ہے۔

- پہلا مرحلہ: ”مشرکینِ قریش“ کو برسرِ جنگ سمجھنا کیونکہ اُنھی نے ظلم کا آغاز کیا تھا، لہٰذا مسلمانوں کو حق پہنچتا تھا کہ ان سے لڑائی لڑیں اور ان کا مال ضبط کریں جبکہ دوسرے مشرکینِ عرب کے ساتھ یہ صورت حال نہ تھی۔

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة، حديث:3632. [2] المآئدة5:67. [3] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب سورة المآئدة، حديث:3046(234/5).

- دوسرا مرحلہ: ''مشرکینِ عرب'' میں سے جو قریش کا ساتھ دیں اور ان سے اتحاد کریں یا غیر قریش میں سے جو بذاتِ خود مسلمانوں پر ظلم وزیادتی کریں، ان سب سے لڑنا۔
- تیسرا مرحلہ: جن یہود نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان کر رکھا ہے اگر وہ خیانت کریں اور مشرکین کا ساتھ دیں تو ان کے عہد بشرطِ استواری کو توڑ دینا۔
- چوتھا مرحلہ: جو اہل کتاب، مثلاً: نصاریٰ مسلمانوں سے دشمنی کا آغاز کریں تو ان سے بھی لڑنا، یہاں تک کہ وہ چھوٹے بن کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔
- پانچواں مرحلہ: جو مشرک، یہودی یا نصرانی وغیرہ اسلام میں داخل ہوجائے اس سے ہاتھ روک لینا۔ اس کی جان و مال سے تعرض نہ کرنا سوائے اس صورت کے کہ وہ خود شرعی طور پر اس کا سزاوار ہو اور اس کے کفر کا حساب اللہ لے گا۔

سرایا اور غزوات جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان شروع ہی سے احتیاط کا دامن پکڑے ہوئے تھے اور انھوں نے پہرے اور ہتھیاروں کے ساتھ سونے کا انتظام کر رکھا تھا۔ جب قتال کی اجازت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ''فوجی طلایہ گردی (فوجی گشت)'' کا انتظام فرمایا، جس کا سالار اپنے کسی صحابی کو بنا دیا کرتے تھے۔ اسے ''سریہ'' کہا جاتا ہے اور کبھی کبھی آپ ﷺ بنفس نفیس بھی نکلتے تھے۔ اسے ''غزوہ'' کہا جاتا ہے۔

اس ''طلایہ گردی'' کے مقاصد یہ تھے:

1. دشمن کی نقل وحرکت کا پتہ لگانا اور مدینے کے اطراف کو محفوظ رکھنا۔ ایسا نہ ہو کہ دشمن مسلمانوں پر دھوکے سے ٹوٹ پڑے۔
2. قریش کے قافلوں سے چھیڑ خانی کر کے ان پر دباؤ ڈالنا تا کہ انھیں اپنی تجارت اور جان و مال کے لیے خطرے کا احساس ہوجائے۔ اس کے بعد یا تو وہ اپنی حماقت سے باز کر مسلمانوں سے صلح کرلیں اور انھیں اسلام کو پھیلانے اور اس پر عمل کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیں اور یہی مسلمانوں کی انتہائی آرزو تھی۔ یا جنگ اور قتال کا راستہ اپنائیں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ سب سے پہلے اپنی تجارت کا راستہ کھو دیں گے کیونکہ

وہ مدینے کے اطراف سے گزرتا تھا اور دوسرے درجے پر اللہ کے حکم اور اس کی مدد سے اپنے شر اور ظلم کا بدلہ پا جائیں گے۔ اس کی طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام میں کئی بار اشارہ کیا جا چکا تھا۔

3 دوسرے قبائل کے ساتھ دوستی وتعاون اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنا۔

4 اللہ کا پیغام پہنچانا اور قولاً وعملاً اسلام کی دعوت دینا۔

اس سلسلے میں پہلا "سریہ" جو رسول اللہ ﷺ نے بھیجا وہ سریۂ سِیفُ البَحرِ کہلاتا ہے۔ اسے آپ نے رمضان سنہ 1 ہجری میں بھیجا اور اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اس کا امیر بنایا۔ اس میں کل تیس مہاجرین تھے۔ یہ لوگ عیص کے اطراف میں بحرِ احمر کے ساحل تک گئے اور قریش کا ایک قافلہ جو ابوجہل کی سرکردگی میں شام سے آ رہا تھا، اس سے سامنا ہوا۔ دونوں فریقوں نے صفیں باندھ لیں، قریب تھا کہ جنگ ہو جاتی لیکن مجدی بن عمرو جہنی نے بیچ بچاؤ کرا دیا اور دونوں فریق واپس چلے گئے۔

یہ اسلامی تاریخ کا پہلا "سریہ" اور پہلا فوجی عمل تھا۔ اس کا جھنڈا سفید تھا، یہ اسلامی تاریخ کا پہلا جھنڈا تھا اور اس کے علمبردار ابومرثد کنانہ بن حصین غنوی تھے۔

اس کے بعد پے در پے "سریے" روانہ کیے گئے، چنانچہ شوال میں ابوعبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو ساٹھ مہاجرین کے ساتھ بطن رابغ بھیجا گیا۔ وہاں ابوسفیان سے سامنا ہوا جو دو سو آدمیوں کے ساتھ تھا۔ دونوں طرف سے تیر چلے لیکن جنگ نہ ہوئی۔

پھر ذی قعد میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو بیس مہاجرین کے ساتھ رابغ کے قریب خرار کی طرف بھیجا گیا لیکن ان کا کسی سے سامنا نہ ہوا۔

اس کے بعد صفر سنہ 2 ہجری میں ستر مہاجرین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود نکلے اور ابواء یا وَدّان تشریف لے گئے لیکن کسی سے سامنا نہ ہوا۔ اس سفر میں آپ ﷺ نے عمرو بن مخشی الضمری کے ساتھ امان اور تعاون کا معاہدہ کیا۔ یہ پہلی "مہم" ہے جس میں رسول اللہ ﷺ بنفسِ نفیس خود نکلے۔

اس کے بعد آپ ﷺ ربیع الاول سنہ 2 ہجری میں دو سو مہاجرین کے ساتھ رضوٰی کے اطراف میں بواط تک تشریف لے گئے۔ وہاں بھی کسی سے سامنا نہ ہوا۔

اسی مہینے میں کُرز بن جابر فہری نے مدینے کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور کچھ مویشی ہانک کر لے گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ستر مہاجرین کے ساتھ اس کا تعاقب کیا اور بدر کے اطراف میں سفوان تک تشریف لے گئے لیکن کُرز نکل بھاگا۔ اس واقعے کو ''غزوۂ بدر اولیٰ'' بھی کہتے ہیں۔

اس کے بعد آپ جمادی الاولیٰ یا جمادی الاخریٰ 2 ہجری میں ایک سو یا دو سو پچاس مہاجرین کے ساتھ ذو العُشَیرہ تک تشریف لے گئے۔ مقصود، قریش کے ایک قافلے کو روکنا تھا جو ملک شام جارہا تھا لیکن وہ آپ ﷺ کے پہنچنے سے چند دن پہلے ہی جا چکا تھا۔ اس سفر میں آپ نے بنو مدلج کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا۔

پھر رجب سنہ 2 ہجری میں آپ ﷺ نے عبد اللہ بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ کو بارہ مہاجرین کے ہمراہ، مکہ اور طائف کے درمیان مقام ''نخلہ'' کے لیے روانہ کیا۔ مقصود یہ تھا کہ وہ قریش کے ایک قافلے کی خبر لائیں مگر ان لوگوں نے قافلے پر حملہ کر کے ایک آدمی کو قتل اور دو کو قید کر لیا اور قافلے کو ہانک لائے۔ اس حرکت پر رسول اللہ ﷺ ناراض ہوئے، چنانچہ قیدیوں کو چھوڑ دیا اور مقتول کا خوں بہا ادا کیا۔

یہ واقعہ رجب کی آخری تاریخ کو پیش آیا تھا، اس لیے مشرکین نے شور مچایا کہ مسلمانوں نے حرام مہینے کی حرمت پامال کر ڈالی۔ اس پر اللہ کا یہ ارشاد نازل ہوا:

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ﴾

''لوگ آپ سے حرام مہینے میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام

سے روکنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا، یہ سب اللہ کے نزدیک اور زیادہ بڑا جرم ہے اور فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔"[1]

شعبان سنہ 2 ہجری میں قبلہ بھی بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ کو بنا دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ یہی چاہتے تھے اور اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اس سے بعض دھوکے باز منافقین اور یہود بھی منظر عام پر آگئے جو جھوٹ موٹ مسلمان بنے ہوئے تھے، چنانچہ یہ مرتد ہو گئے اور مسلمانوں کی صفیں ان سے پاک ہوگئیں۔

یہ تھی جنگی نقل وحرکت، جو مدینہ اور اس کے اطراف کے امن کی حفاظت کے لیے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے قائم کر رکھی تھی۔ اس سے قریش کو یہ بتلانا بھی مقصود تھا کہ اگر وہ اپنے شر سے باز نہ آئے تو انجام برا ہوگا۔ لیکن وہ اپنی خودسری اور تکبر میں بڑھتے ہی گئے، چنانچہ بدر کے میدان میں اس کی سزا پالی اور جزا بہر حال گھاٹے ہی کی تھی۔

غزوۂ بدر کبریٰ {17 رمضان 2 ہجری}

یہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان پہلا فیصلہ کن معرکہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جس قافلے کے لیے ذوالعشیرہ تشریف لے گئے تھے اور جو بچ کر شام چلا گیا تھا، آپ اس کی تاک میں تھے اور اس کی خبر لانے کے لیے آپ نے شام کے مقام حوراء تک دو آدمی بھیجے تھے، چنانچہ جیسے ہی یہ قافلہ وہاں سے گزرا، انھوں نے جلدی سے مدینہ خبر پہنچائی[2] اور خبر ملتے ہی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو نکلنے کی دعوت دی لیکن نکلنے کو ضروری بھی نہیں قرار دیا، چنانچہ اس دعوت پر 313، 314 یا 317 آدمیوں نے لبیک کہا جس میں 82 یا 83 یا 86 مہاجرین تھے اور 61 قبیلہ اوس کے اور 170 قبیلہ خزرج کے انصار تھے۔ انھوں نے مکمل تیاری بھی نہ کی تھی،[3] سواری میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔

[1] البقرة 2:217، ان سرایا اور غزوات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام: 1/591-605، وزادالمعاد: 2/83 ـ 85. [2] المغازی للواقدي. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب عدة أصحاب بدر، حديث:3956.

رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے سفید جھنڈا باندھا اور اسے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ اس کے علاوہ ایک جھنڈا مہاجرین کا تھا جسے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ لیے ہوئے تھے اور ایک جھنڈا انصار کا تھا جسے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اٹھا رکھا تھا۔ مدینے کا انتظام ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا لیکن روحاء پہنچ کر ان کی جگہ ابولُبابہ بن عبدالمنذ ر رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ مدینے سے نکلے تو "بدر" منزلِ مقصود تھی۔ یہ مدینے کے جنوب مغرب میں 155 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اسے ہر طرف سے بلند پہاڑوں نے گھیر رکھا ہے۔ آمد ورفت کے صرف تین راستے ہیں: ایک جنوب میں ہے جسے «اَلْعُدْوَةُ الْقُصْوٰى» (دور کا ناکہ) کہا جاتا ہے، دوسرا شمال میں ہے جو «اَلْعُدْوَةُ الدُّنْیَا» (قریب کا ناکہ) کہلاتا ہے۔ تیسرا شمالی راستے کے قریب ہی مشرق میں ہے اور اس سے اہل مدینہ آتے جاتے ہیں۔ مکے سے شام آنے جانے والے قافلوں کا راستہ اسی احاطے کے اندر سے گزرتا تھا۔ اس میں کچھ مکانات، کنوئیں اور باغات بھی تھے، اس لیے قافلے عموماً یہاں پڑاؤ ڈالتے تھے اور کئی گھنٹوں سے لے کر کئی دنوں تک ٹھہرتے تھے، لہٰذا یہ بات بہت آسان تھی کہ اس احاطے میں قریش کا قافلہ اترنے کے بعد مسلمان تینوں راستے بند کر دیں اور قافلہ اپنے آپ کو ان کے حوالے کرنے پر مجبور ہو جائے لیکن اس تدبیر کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ قافلے کو مسلمانوں کے نکلنے کا مطلق علم نہ ہوتا کہ وہ غفلت میں بدر کے اندر اتر پڑیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ جب مدینے سے نکلے تو آپ نے پہلے پہل جو راستہ اختیار کیا وہ بدر کے بجائے کہیں اور جاتا تھا، پھر بہت دھیمی رفتار سے بدر کی جانب پیش قدمی فرمائی۔

جہاں تک قافلے کا تعلق ہے تو اس میں ایک ہزار اونٹ تھے، جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار کی مالیت کا سامان لدا ہوا تھا۔ اس کا سالار ابوسفیان تھا اور اس کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے۔ ابوسفیان حد درجہ بیدار اور محتاط تھا۔ ہر آنے جانے والے سے مسلمانوں کی نقل وحرکت کے متعلق دریافت کرتا رہتا تھا، چنانچہ ابھی وہ بدر سے کافی دور تھا کہ اسے

مسلمانوں کے نکلنے کا علم ہو گیا، لہٰذا اس نے قافلے کا رخ مغرب کی طرف پھیر کر ساحل کا راستہ پکڑ لیا اور بدر کا راستہ کلی طور پر چھوڑ دیا۔ ساتھ ہی ایک آدمی کو اجرت دے کر مکہ بھیجا کہ جس قدر جلد ممکن ہو، انھیں مسلمانوں کے نکلنے کی اطلاع دے دے۔ اس شخص نے خبر پہنچائی تو اہلِ مکہ نہایت تیزی سے تیار ہوئے اور سب کے سب نکلے۔ ابولہب کے سوا بڑوں میں کوئی پیچھے نہ رہا۔ آس پاس کے قبائل کے آدمی بھی ساتھ لے لیے۔ قریش کے بڑوں میں سے صرف بنوعدی نے اس میں شرکت نہ کی۔

جب یہ لشکر جحفہ پہنچا تو اسے ابوسفیان کا پیغام ملا جس میں اس نے اپنے بچ نکلنے کی اطلاع دی تھی اور مطالبہ کیا تھا کہ مکہ واپس پلٹ جائیں، چنانچہ ان لوگوں نے واپسی کا ارادہ کرلیا۔ مگر ابوجہل، اپنے تکبر اور نخوت کے سبب آڑے آ گیا اور کوئی واپس نہ ہو سکا۔ صرف بنوزہرہ اپنے حلیف اور رئیس اخنس بن شریق ثقفی کی رائے پر واپس ہوئے۔ یہ تین سو افراد تھے۔ باقی ایک ہزار نفر کے لشکر نے اپنا سفر جاری رکھا تا آنکہ ”عدوۂ قصویٰ“ کے قریب پہنچ کر بدر کے باہر پہاڑوں کے پیچھے ایک وسیع میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ کو راستے ہی میں اہل مکہ کے خروج کا علم ہو گیا، لہٰذا آپ نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور اچھی بات کہی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور اچھی بات کہی، پھر حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض پرداز ہوئے:

”اے اللہ کے رسول! واللہ! ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی: ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾

”تم اور تمھارا رب جاؤ اور لڑو، ہم یہیں بیٹھے ہیں۔“[1]

بلکہ ہم آپ کے دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے سے لڑیں گے۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک دمک اٹھا اور آپ مسرور ہو گئے۔[2]

[1] المائدة 5:24. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب قوله ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ﴾، حديث: 3952.

اس کے بعد آپ نے پھر فرمایا:

«أَشِيرُوا عَلَيَّ أَيُّهَا الْمُسْلِمُونَ» ''مسلمانو! مجھے مشورہ دو۔''

اس پر انصار کے رئیس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض پرداز ہوئے:

''یارسول اللہ! گویا آپ ہماری طرف اشارہ فرما رہے ہیں تو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں سمندر پر لے چلیں اور اس میں کودنا چاہیں تو ہم اس میں بھی آپ کے ساتھ کود پڑیں گے۔ ہمارا ایک آدمی بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں قطعاً کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ کل آپ ہمارے ساتھ دشمن سے ٹکرا جائیں۔ ہم جنگ میں پامرد اور لڑنے میں جوانمرد ہیں اور توقع ہے کہ اللہ آپ کو ہمارا وہ جوہر دکھلائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، لہٰذا آپ ہمیں لے کر بڑھیں۔ اللہ برکت دے ...... انھوں نے گفتگو کے دوران میں یہ بھی کہا...... اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، اگر آپ پیش قدمی کرتے ہوئے ''بُرکِ غماد'' تک جائیں تب بھی ہم آپ کے ساتھ ہیں۔''

اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ آپ نے فرمایا:

«سِيرُوا وَ أَبْشِرُوا، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ وَعَدَنِي إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ، وَاللّٰهِ لَكَأَنِّي أَنْظُرُ الْآنَ إِلٰی مَصَارِعِ الْقَوْمِ»

''چلو اور خوش ہو جاؤ کیونکہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ! اس وقت میں گویا قوم کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔''

پھر آپ نے بدر کی جانب پیش قدمی کی اور وہاں اسی رات پہنچے، جس رات مشرکین پہنچے تھے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے میدان بدر کے اندر ''عدوۂ دنیا'' کے قریب پڑاؤ ڈالا لیکن حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ آگے بڑھ چلیں اور جو چشمہ دشمن کے سب سے زیادہ قریب ہے اس پر پڑاؤ ڈالیں تاکہ مسلمان حوض بنا کر اپنے لیے پانی جمع کر لیں اور بقیہ چشموں کو پاٹ دیں، اس طرح دشمن پانی سے محروم رہ جائے گا، چنانچہ آپ نے

یہی کیا، پھر مسلمانوں نے ایک چھپر بنایا جو نبی ﷺ کی قیادت گاہ تھا۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کمان میں انصاری جوانوں کی ایک جماعت پہرے اور حفاظت کے لیے مقرر کر دی۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لشکر کی ترتیب فرمائی[1] اور میدانِ جنگ کا چکر لگایا، وہاں آپ نے ہاتھ کا اشارہ کر کر کے فرمایا:

«هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ، غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

”یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے اور یہ کل فلاں کی قتل گاہ ہے ان شاء اللہ۔“[2]

پھر ایک درخت کی جڑ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے رات گزاری۔ مسلمانوں نے بھی بھرپور اعتماد کے ساتھ پرسکون رات گزاری اور اللہ نے بارش نازل فرمائی، جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝﴾

”جب (اللہ) تم پر اپنی طرف سے امن و بے خوفی کے طور پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ تمھیں اس کے ذریعے سے پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی دور کر دے اور تمھارے دل مضبوط کر دے اور تمھارے قدم جما دے۔“[3]

پھر صبح ہی، یعنی جمعے کی صبح 17 رمضان سنہ 2 ہجری کو دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ قُرَيْشٌ، قَدْ أَقْبَلَتْ بِخُيَلَائِهَا وَفَخْرِهَا، تُحَادُّكَ وَ تُكَذِّبُ

[1] جامع الترمذي، الجهاد، باب ماجاء في الصف والتعبية عندالقتال، حديث: 1677.
[2] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة البدر، حديث: 1779. [3] الأنفال 11:8.

رَسُولَكَ، اَللّٰهُمَّ فَنَصْرَكَ الَّذِي وَعَدْتَنِي، اَللّٰهُمَّ اَحْنِهِمُ الْغَدَاةَ»

''اے اللہ! یہ قریش ہیں جو اپنے غرور و تکبر کے ساتھ تیری مخالفت کرتے ہوئے اور تیرے رسول کو جھٹلاتے ہوئے آئے ہیں۔ اے اللہ! تیری مدد، جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ اے اللہ! آج انھیں اینٹھ کر رکھ دے۔''

پھر آپ نے صفیں برابر کیں اور فرمایا:

''جب تک میرا حکم نہ آجائے لڑائی شروع نہ کریں۔'' نیز فرمایا:

«إِذَا أَكْثَبُوكُمْ فَارْمُوهُمْ، وَاسْتَبْقُوا نَبْلَكُمْ وَلَا تَسُلُّوا السُّيُوفَ حَتّٰى يَغْشَوْكُمْ»

''جب وہ تمھارے قریب آجائیں تو ان پر تیر چلانا اور اپنے تیروں کو بچائے رکھنے کی کوشش کرنا[1] اور جب تک وہ تم پر چھا نہ جائیں تلوار نہ کھینچنا۔''[2]

اس کے بعد آپ چھپر میں واپس آگئے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ نے اللہ عزوجل سے بڑے سوز کے ساتھ دعا کی۔ یہاں تک کہ فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ إِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ الْيَوْمَ لَا تُعْبَدُ أَبَدًا، اَللّٰهُمَّ إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ بَعْدَ الْيَوْمِ أَبَدًا»

''اے اللہ! اگر آج یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو کبھی تیری عبادت نہ کی جائے گی۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد کبھی تیری عبادت نہ کی جائے۔''

آپ ﷺ نے خوب تضرع اور خلوص کے ساتھ دعا کی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر آپ کے کندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چادر درست کی اور عرض پرداز ہوئے: ''اے اللہ کے رسول! بس فرمائیے۔ آپ نے اپنے رب سے جی بھر کے دعا

① صحيح البخاري، المغازي، باب من شهد بدراً، حديث:3984. ② سنن أبي داود، الجهاد، باب في سل السيوف عنداللقاء، حديث:2664.

فرمائی۔"[1]

دوسری طرف مشرکین کی صورت حال یہ تھی کہ ابوجہل نے اللہ سے فیصلے کی دعا کی۔ اس نے کہا: "اے اللہ! ہم میں سے جو فریق قرابت کو زیادہ کاٹنے والا اور غلط حرکتیں زیادہ کرنے والا ہے، اسے آج توڑ دے۔ اے اللہ! ہم میں سے جو فریق تیرے نزدیک زیادہ محبوب اور زیادہ پسندیدہ ہے، آج اس کی مدد فرما۔"

مبارزت اور قتال اس کے بعد قریش کے تین بہترین سوار عتبہ، شیبہ فرزندان ربیعہ اور ولید بن عتبہ آگے بڑھے اور مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ جواب میں انصار کے تین جوان نکلے۔ مشرکین نے کہا: "ہم اپنے چچیرے بھائیوں کو چاہتے ہیں۔"

چنانچہ اب حضرت عبیدہ بن حارث، حمزہ اور علی رضی اللہ عنہم آگے بڑھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو اور علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو ٹھکانے لگا دیا، البتہ عبیدہ رضی اللہ عنہ اور عتبہ کے درمیان دو ضربوں کا تبادلہ ہوا اور ایک نے دوسرے کو اچھی طرح زخمی کر دیا لیکن اتنے میں حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما اپنے اپنے شکار سے فارغ ہو کر عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے قتل کر کے حضرت عبیدہ کو اُٹھا لائے۔ ان کا پاؤں کٹ گیا تھا، اس وجہ سے چار یا پانچ دن بعد مدینہ واپسی کے دوران صفراء میں ان کا انتقال ہو گیا۔[2]

مبارزت کا نتیجہ مشرکین کے لیے برا ثابت ہوا، چنانچہ وہ غصے سے بے قابو ہو کر مسلمانوں کی صفوں پر نہایت تندی کے ساتھ ٹوٹ پڑے اور مردِ واحد کی طرح یکبارگی حملہ کر دیا لیکن مسلمان اپنی جگہ جمے رہے۔ وہ اپنا دفاع کر رہے تھے اور اَحد اَحد کہہ رہے تھے۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جھپکی آئی، پھر آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا "ابوبکر! خوش ہو جاؤ تمھارے پاس اللہ کی مدد آ گئی۔ یہ جبریل ہیں اپنے گھوڑے کی لگام تھامے آگے آگے چل رہے ہیں۔ ان کے جوڑوں پر گرد و غبار ہے۔"[3]

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب ما قيل في درع النبي ﷺ، حديث: 2915. [2] مبارزت کی خبر کے لیے دیکھیے صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبي جهل، حديث: 3965. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب شهود الملائكة بدرًا، حديث: 3995.

اس دن اللہ نے ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے سے مسلمانوں کی مدد کی تھی، پھر رسول اللہ ﷺ زرہ پوش، سپاہیانہ شان سے آگے بڑھے۔ اس وقت آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝﴾

''عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گا۔''①

پھر آپ ﷺ نے ایک مٹھی کنکریلی مٹی لی اور [شَاهَتِ الْوُجُوْهُ] ''چہرے بگڑ جائیں'' کہتے ہوئے مشرکین کے چہروں پر دے ماری۔ اللہ کی قدرت! کوئی مشرک نہ بچا کہ جس کی دونوں آنکھوں اور نتھنے میں ایک مٹھی مٹی میں سے کچھ نہ کچھ نہ گیا ہو۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾

''جب آپ نے پھینکا تو درحقیت آپ نے نہیں پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔''②

پھر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو مشرکین پر حملے کا حکم اور جنگ کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: [شُدُّوا] ''چڑھ دوڑو!''

چنانچہ مسلمان جن کا جوشِ جہاد ابھی شباب پر تھا، چڑھ دوڑے اور ان کے جوش وخروش میں یہ دیکھ کر مزید تیزی آ گئی کہ رسول اللہ ﷺ بہ نفسِ نفیس ان کے درمیان موجود ہیں اور سب سے آگے بڑھ کر لڑ رہے ہیں، ③ چنانچہ وہ صفوں کی صفیں درہم برہم کرنے اور گردنیں کاٹنے لگے۔

فرشتوں نے بھی ان کی مدد کی، وہ بھی مشرکین کی گردنیں مارتے اور جوڑوں پر ضرب لگاتے تھے، چنانچہ آدمی کا سر کٹ کر گرتا اور پتہ نہ چلتا کہ کس نے مارا ہے اور آدمی کا ہاتھ کٹ کر گرتا اور پتہ نہ چلتا کہ کس نے کاٹا ہے۔④ یوں مشرکین پر شکست نازل ہوگئی اور انھوں نے راہ فرار اختیار کی اور مسلمانوں نے ان کو کھدیڑ دیا۔ کسی کو قتل کیا تو کسی کو قید کیا۔

① القمر 54:45، صحیح البخاري، الجهاد، باب ماقيل في درع النبي ﷺ، حديث:2910.
② الأنفال 8:17. ③ اسے ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ 329/1، حدیث:412. ④ طبقات ابن سعد، غزوہ بدر: 26/2.

ادھر مشرکین کی تائید میں اور مسلمانوں کے خلاف ان کو بھڑکانے کے لیے ابلیس بھی سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں حاضر تھا۔ جب اس نے فرشتے اور ان کی کارروائیاں دیکھیں تو الٹے پاؤں پلٹ کر بھاگا اور اپنے آپ کو ''بحر احمر'' میں جا کر ڈال دیا۔

ابوجہل کا قتل ابوجہل ایک ایسے گروہ میں تھا، جنھوں نے اس کے گرد اپنی تلواروں اور نیزوں کی باڑھ قائم کر رکھی تھی۔ ادھر مسلمانوں کی صف میں حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کے اردگرد دو انصاری جوان تھے جن کی موجودگی سے وہ مطمئن نہ تھے کہ اتنے میں ایک نے اپنے ساتھی سے چھپا کر ان سے کہا: ''چچا جان! مجھے ابوجہل دکھلا دیجیے۔'' انھوں نے کہا: ''اسے کیا کرو گے؟'' اس نے کہا: ''مجھے بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں نے اس کو دیکھ لیا تو میرا وجود اس کے وجود سے جدا نہ ہوگا، یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے ہو وہ مرجائے۔'' اتنے میں دوسرے نے بھی یہی بات کہی۔ اس کے بعد جب صفیں پھٹ گئیں تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ابوجہل چکر کاٹ رہا ہے۔ انھوں نے دونوں کو اسے دکھلایا، وہ دونوں ابوجہل پر جھپٹ پڑے اور تلوار مار کر اُسے قتل کر دیا۔ ایک نے پنڈلی پر ضرب لگائی اور اس کا پاؤں یوں اڑ گیا جیسے موسل کی مار پڑنے پر گٹھلی اڑ جاتی ہے اور دوسرے نے بری طرح زخمی کر دیا اور اس حال میں چھوڑا کہ صرف سانس آ جا رہی تھی۔ اس کے بعد دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ دونوں کا دعویٰ تھا کہ میں نے قتل کیا ہے۔ آپ نے تلواریں دیکھیں اور فرمایا: «كِلَاكُمَا قَتَلَهُ» ''تم دونوں نے قتل کیا ہے۔''

یہ دونوں جوان عفراء کے صاحبزادے معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما تھے۔ معوذ رضی اللہ عنہ تو اسی غزوہ میں شہید ہوگئے، البتہ معاذ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک زندہ رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی کو ابوجہل کا سامان دیا۔[1]

[1] ایک صحیح روایت کے مطابق یہ دونوجوان معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن جموح تھے اور آپ نے معاذ بن عمرو بن جموح کو ابوجہل کا سامان دیا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی یہ توجیہ بیان کی ہے کہ ہو ◄◄